جامعہ دارالتقوی لاہور کا ترجمان

ماہنامہ

دارالتقوی

لاہور

جمادی الاوّل/جمادی الثانی ۱۴۴۰ھ۔۔۔ فروری 2019

شوریٰ اور امارت۔۔۔شریعت کے آئینے میں

اسلام میں گود لینے کا مسئلہ

مصافحہ ایک ہاتھ سے یا دو ہاتھ سے

میراث کی تقسیم میں کوتاہی

Ghani

Pakistan's No. 1 Glass Brand

GHANI CLEAR

GHANI GREEN

GHANI BROWN

GHANI REFLECTIVE

GHANI TEMPERED

GHANI GREY

GHANI MIRROR

GHANI DOUBLE GLAZED

CONSUMER Demand AWARD 2013-2014 2015-2016

BRAND SCIENTIST AWARDS 2014

Brands of the year Award IT'S ALL ABOUT CHAMPIONS 2013-14-15-16

NFEH's Corporate Social Responsibility Awards 2016

WHO'S WHO PROFESSIONALS AWARD Recognition of Achievement

Ghani Glass Limited

LEADERS IN GLASS

www.ghaniglass.com UAN: 111-949-949

ترجمان جامعہ دارالتقویٰ لاہور

ماہنامہ

دارالتقویٰ

لاہور

جمادی الاول/ جمادی الثانی ۱۴۴۰ھ فروری : 2019ء

جلد نمبر 8 شمارہ نمبر 5

مدیر

حضرت مولانا اویس احمد صاحب

مدیر مسئول مولانا عبدالودود ربانی

مجلس ادارت

مفتی محمد اسامہ

مولانا ذوالکفل

زیر سرپرستی

ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب مدظلہ

حضرت مولانا یوسف خان صاحب مدظلہ

مجلس مشاورت

حضرت مولانا عثمان صاحب

حضرت مولانا عامر رشید صاحب

حضرت مولانا جمیل الرحمٰن صاحب

اس دائرے میں سرخ نشان

مدت خریداری کے ختم ہونے کی علامت ہے

فی شمارہ : ۳۰ روپے

سالانہ بدل خرچ: ۳۵۰ روپے

سالانہ رسالے کے اجراء کے لیے مذکورہ پتہ پر منی آرڈر کریں

خط و کتابت کا پتہ

دفتر ماہنامہ دارالتقویٰ

متصل جامع مسجد الہلال چوبرجی پارک لاہور

فون نمبر: 042-35967905

0321-7771130

Email Address

monthlydarultaqwa@gmail.com

مطبع: شرکت پرنٹنگ پریس

مقام اشاعت: متصل جامع مسجد الہلال چوبرجی پارک لاہور

فہرست

حرف اولیں	مدیر	5
درس قرآن	مفتی محمد شفیع عثمانیؒ	8
درس حدیث	مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب	12

مقالات ومضامین

شوریٰ اور امارت شریعت کے آئینے میں	عبداللہ مکہ مکرمہ	14
میراث کی تقسیم میں کوتاہی	مفتی عبدالرؤف سکھروی	23
ایک دلچسپ فقہی مکالمہ	مفتی راشد ڈسکوی	31
اسلام میں گود لینے کا مسئلہ	مفتی فضیل الرحمان بلال	37
مصافحہ ایک ہاتھ سے یا دو ہاتھ سے	مولانا نعمان	44
مولانا قاضی عبدالرشید کا جامعہ میں خطاب	طلبہ جامعہ دارالتقویٰ	51
آپ کے مسائل کا حل	دارالافتاء والتحقیق	61
اعمالِ قرآنی	حضرت حکیم الامتؒ	65
شب وروز	مولانا عبدالودود ربانی	66

حرف اولیں

سانحہ ساہیوال۔۔نئے پاکستان کا پہلا ٹیسٹ کیس

محکمۂ انسدادِ دہشت گردی (سی ٹی ڈی) پنجاب کے اہلکاروں کی ساہیوال میں کار سوار خاندان پر فائرنگ سے کار میں موجود میاں بیوی اور ان کی 13 سالہ کمسن بچی سمیت چار نہتے اور بے قصور شہریوں کی ہلاکت کا واقعہ جس قدر سفاکانہ المناک اور ریاستی دہشت گردی کی بدترین مثال ہے، وہ محتاجِ بیان نہیں۔ کسی مہذب معاشرے میں قانون کے محافظوں کے ہاتھوں اس طرح کا فعل محض قابلِ مذمت ہی نہیں بلکہ ایسی عبرتناک تادیبی کارروائی کا متقاضی ہے کہ آئندہ کبھی کسی کو ایسی غیر ذمہ دارانہ حرکت کی جرأت نہ ہو۔

سانحہ ساہیوال کی مشترکہ تحقیقاتی کمیٹی (جے آئی ٹی) نے اپنی رپورٹ میں خلیل اور ان کے اہلخانہ کو بے گناہ قرار دیا اور سی ٹی ڈی حکام کو واقعے کا ذمہ دار قرار دے کر ان کے خلاف کارروائی کی سفارش کی جب کہ ڈرائیور ذیشان کا معاملہ مشکوک قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ اس میں مزید تحقیقات کی ضرورت ہے۔حکومت نے جے آئی ٹی کی سفارشات پر کارروائی کرتے ہوئے سی ٹی ڈی کے سربراہ ایڈیشنل آئی جی رائے محمد طاہر، ایڈیشنل آئی جی سی ٹی ڈی اور ڈی آئی جی سی ٹی ڈی سمیت اعلیٰ عہدے داران کو فوری عہدوں سے ہٹا دیا ہے جب کہ ایس ایس پی اور ڈی ایس پی سی ٹی ڈی کو معطل کر دیا ہے۔اور فائرنگ کرنے والے اسکواڈ کے 5 اہلکاروں کیخلاف دفعہ 302 اور دہشت گردی کی دفعات لگا کر گرفتار کر لیا ہے۔

سی ٹی ڈی کے شیر جوانوں کی یہ کوئی پہلی کارروائی نہیں ہے قانون نافذ کرنے والے ادارے نہتے افراد کو غائب کرنے کے علاوہ جعلی پولیس مقابلوں میں قتل کرتے رہے ہیں جس کی مثالیں زبان زدعام ہیں۔ کراچی میں راؤ انوار اس کی بدترین مثال کے طور پر سامنے ہے۔ایسے میں عدلیہ کے نظام پر سوالات اٹھتے ہیں کہ ملک میں اگر انصاف دستیاب ہوتا تو شاید ایسے واقعات رک جاتے۔ راؤ انوار کا کیس سپریم کورٹ

میں بھی آیا، روپوشی کے بعد ملزم سامنے بھی آ گیا اور حسب توقع ضمانت بھی مل گئی اور وی آئی پی پروٹوکول کے ساتھ ایسا شخص جس پر مبینہ پولیس مقابلوں کے ذریعے نہتے افراد کو قتل کرنے کے درجنوں الزامات بھی ہوں، دندناتا پھر رہا ہے۔ عوام کو توقع تھی کہ ماضی میں ہونے والے ایسے واقعات پر اگر ٹرائل درست سمت میں جاتا اور ملزمان خواہ ان کا تعلق قانون نافذ کرنے والے اداروں سے ہو یا دہشت گردوں سے، انہیں سولی پر لٹکا دیا جاتا تو شاید ایسے واقعات رک جاتے مگر افسوس کہ نئے پاکستان میں بھی ایسا ہوتا بظاہر نظر نہیں آ رہا۔

شاید یہ واقعہ بھی دیگر سینکڑوں واقعات کی طرح دبا دیا جاتا۔ بھلا ہو ان چشم دید گواہان کا جنہوں نے کھیلی جانے والی خون کی اس ہولی کے تمام مناظر کیمرے کی آنکھ میں محفوظ کر لئے اور پھر سوشل میڈیا اور بعد ازاں الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے پوری دنیا نے ظلم کی یہ واردات دیکھی۔ اگر اس ہولناک واقعے کی فوٹیج نہ بنتی تو اس مظلوم خاندان پر بھی دہشت گردی کا لیبل لگا کر اور پس ماندگان کو ڈرا دھمکا کر اسے دبا دیا جاتا۔ جس طرح بدقسمتی سے گذشتہ دہائی سے ہو رہا ہے۔

دہشت گردی کے خلاف جنگ کا سب سے زیادہ شکار مذہبی طبقہ ہوا ہے۔ مذہبی جماعتوں کے کارکنوں اور دین دار طبقہ کو قانون نافذ کرنے والے اداروں کی طرف سے سخت معاندانہ رویے کا سامنا ہے۔ داڑھی اور ٹوپی کو شک کی پہلی سیڑھی قرار دے دیا جاتا ہے۔ پنجاب کا ہر ضلع ماورائے عدالت قتل کی بھیانک داستانوں کا گواہ ہے جس میں قوم کے صالح نوجوانوں پر دہشت گردی کا لیبل لگا کر محض شک کی بنا پر جعلی مقابلوں میں پار کر دیا گیا۔ ان بے گناہ نوجوانوں کی تعداد بھی سینکڑوں میں ہے جن سے بالکل ایسے ہی بارود، خودکش جیکٹس اور ہتھیار برآمد کر کے عدالتوں سے 25، 25 سال کی سزائیں دلوائی گئیں جیسے سانحہ ساہیوال کے مظلوم خاندان سے "اسلحہ بارود اور خودکش جیکٹس" برآمد کی گئیں۔

قبل ازیں تو صرف مذہبی طبقہ وطن عزیز میں خود کو غیر محفوظ سمجھتا تھا اب عدم تحفظ کا یہ احساس عام عوام میں بھی پایا جا رہا ہے۔ عوام کی جان و مال کی حفاظت پر مامور اداروں کے ہاتھوں اگر عوام کی جانیں محفوظ نہیں ہوں گی تو پھر عدم تحفظ کا یہ احساس بڑھتے بڑھتے خاکم بدہن شہریوں کے دلوں میں اداروں کی نفرت کا باعث بنے گا جو کسی بھی طرح ملک کے مفاد میں نہیں۔ وقت آ گیا ہے کہ قانون نافذ کرنے والے ادارے بے گناہوں اور مظلوموں کے زخموں پر مرحم رکھیں۔ اگر کسی کو بے گناہ پکڑا بھی گیا ہے تو ریاست اور قانون نافذ کرنے والے اداروں میں اتنی قانون کی پاسداری ہونی چاہیے کہ وہ تسلیم کریں کہ ہم نے اس کو بے گناہ

پکڑا تھا یہ بے قصور ہے۔ جھوٹے مقدمات میں ملوث کر کے عدالت کے حوالہ کرنا کوئی شرافت نہیں کہ جاؤ عدالت سے بری ہو جاؤ۔ اگر کسی کو بے گناہ پکڑا گیا ہے تو معاشرہ میں اس کی عزت وقار اور زندگی کو بحال کرنا حکومت اور اداروں کی ذمے داری ہونی چاہیے۔ لوگوں کو زندہ لاش بنا کر واپس معاشرہ میں پھینک دینے کی قانون قطعاً اجازت نہیں دیتا۔

ایک عام تاثر یہ تھا کہ نئی حکومت آنے کے بعد جہاں ملک کے اندر سیاسی تبدیلی کے اثرات واضح ہوں گے وہاں اداروں کو سیاسی مداخلت سے آزاد کر کے انہیں اپنے اصل مقاصد تک محدود کر دیا جائے گا لیکن اگر صرف پولیس کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ نئی حکومت کے آنے کے بعد پولیس اور انتظامیہ پر گرفت مضبوط ہونے کی بجائے کمزور ہوئی ہے جس کی وجہ وہی سیاسی مداخلت اور خصوصاً پنجاب کی حد تک تو یہ تاثر نمایاں ہے کہ انتظامی مشینری اور پولیس اختیارات کا مرکز ایک نہ ہونے کی وجہ سے ادھر اُدھر دیکھ رہی ہے۔ سانحہ ساہیوال پی ٹی آئی حکومت کے لئے ٹیسٹ کیس ہے بدقسمتی سے "تبدیلی سرکار" نے بھی اس کیس سے اسی طرح نمٹنے کی کوشش کی ہے جس طرح گذشتہ حکومتیں کرتی رہی ہیں۔ جس طرح وزراء اس اقدام کا جواز تراشتے نظر آئے، انہیں کم از کم افسوسناک اور زیادہ سے زیادہ شرمناک ہی کہا جا سکتا ہے۔ اگر دیکھا جائے تو وزراء اور پی ٹی آئی کے ذمہ داران کی جانب سے متعلقہ ادارے کے دفاع کا عمل خود حکومت کی بدنامی کا باعث بنا ہے۔ لہٰذا حکومت کو چاہئے کہ حقائق سے پردہ اٹھنے دے۔ اس کیس کی صاف اور شفاف تحقیقات ہوتی ہیں تو عوام کا اداروں اور خود حکومتی دعووں پر اعتماد بڑھے گا ورنہ اگر روایتی تحقیقات، روایتی جے آئی ٹی، روایتی رپورٹس اور سفارشات پر انحصار رہا تو یہ خود ملک کے مستقبل کے حوالے سے اچھا ہوگا اور نہ ہی پی ٹی آئی حکومت کے لئے۔ ماضی میں اس حوالے سے برتی جانے والی مجرمانہ غفلت ہی ہے کہ اس طرح کے واقعات کا تسلسل جاری ہے۔ لہٰذا یہ سانحہ نئی حکومت کیلئے ٹیسٹ کیس کی حیثیت رکھتا ہے جس طرح سانحہ ماڈل ٹاؤن سے آج تک سابق وزیر اعلیٰ شہباز شریف چھٹکارا نہیں پا سکے سانحہ ساہیوال ایک ایسا بدنما داغ ہے جو عمران خان' تحریک انصاف اور عثمان بزدار کی حکمرانی کے چہرے سے کبھی مٹ نہیں پائے گا۔

والسلام

اویس احمد

درسِ قرآن

مفتی محمد شفیعؒ

دو متحارب فریقوں میں صلح کرانے کا حکم

...سورۃ الحجرات.....آیت نمبر 9

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ o

ترجمہ:

"اور اگر دو فریق مسلمانوں کے آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں ملاپ کرا دو پھر اگر چڑھا چلا جائے ایک ان میں سے دوسرے پر تو تم سب لڑو اس چڑھائی والے سے یہاں تک کہ پھر آئے اللہ کے حکم پر پھر اگر پھر آیا تو ملاپ کرا دو ان میں برابر اور انصاف کرو بیشک اللہ کو خوش آتے ہیں انصاف والے"

سبب نزول:

ان آیات کے سبب نزول میں مفسرین نے متعدد واقعات بیان فرمائے ہیں جن میں خود مسلمانوں کے دو گروہوں میں باہم تصادم ہوا اور کوئی بعید نہیں کہ یہ سبھی واقعات کا مجموعہ سبب نزول ہوا ہو یا نزول کسی ایک واقعہ میں ہوا، دوسرے واقعات کو اس کے مطابق پا کر ان کو بھی سبب نزول میں شریک کر دیا گیا، اس آیت کے اصل مخاطب وہ اولوالامر اور ملوک ہیں جن کو قتال و جہاد کے وسائل حاصل ہیں اور بالواسطہ تمام

مسلمان اس کے مخاطب ہیں کہ وہ اس معاملے میں اولوالامر کی اعانت کریں اور جہاں کوئی امام و امیر یا بادشاہ ورئیس نہیں وہاں حکم یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو دونوں کو فہمائش کر کے ترک قتال پر آمادہ کیا جائے اور دونوں نہ مانیں تو دونوں لڑنے والے فرقوں سے الگ رہے نہ کسی کے خلاف کرے نہ موافقت۔

مسائل متعلقہ:

مسلمانوں کے دو گروہوں کی باہمی لڑائی کی چند صورتیں ہوتی ہیں، ایک یہ کہ دونوں جماعتیں امام المسلمین کے تحت ولایت ہیں یا دونوں نہیں، یا ایک ہے ایک نہیں، پہلی صورت میں عام مسلمانوں پر لازم ہے کہ فہمائش کر کے ان کو باہمی جنگ سے روکیں، اگر فہمائش سے باز نہ آئیں تو امام المسلمین پر اصلاح کرنا واجب ہے اگر حکومت اسلامیہ کی مداخلت سے دونوں فریق جنگ سے باز آ گئے تو قصاص و دیت کے احکام جاری ہوں گے اور باز نہ آئیں تو دونوں فریق کے ساتھ باغیوں کا سا معاملہ کیا جائے اور ایک باز آ گیا دوسرا ظلم وتعدی پر جما رہا تو دوسرا فریق باغی ہے اس کے ساتھ باغیوں کا معاملہ کیا جائے اور جس نے اطاعت قبول کر لی وہ فریق عادل کہلائے گا اور باغیوں کے احکام کی تفصیل کتب فقہ میں دیکھی جاسکتی ہے اور مختصر جامع حکم یہ ہے کہ قبل قتال ان کے ہتھیار چھین لئے جاویں گے اور ان کو گرفتار کر کے توبہ کرنے کے قوت تک قید رکھیں گے اور عین قتال کی حالت میں اور قتال کے بعد ان کی ذریت کو غلام یا لونڈی نہ بنادیں گے اور ان کا مال مال غنیمت نہیں ہوگا البتہ توبہ کرنے تک اموال کو محبوس رکھا جائے گا توبہ کے بعد واپس دے دیا جائے گا، آیات مذکورہ میں جو یہ ارشاد ہوا ہے (آیت) فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا، یعنی اگر بغاوت کرنے والا فرقہ بغاوت اور قتال سے باز آ جائے تو صرف جنگ بند کر دینے پر اکتفا نہ کرو بلکہ اسباب جنگ اور باہمی شکایات کے ازالہ کی فکر کرو تا کہ دلوں سے بغض و عداوت نکل جاوے اور ہمیشہ کے لئے بھائی چارے کی فضا قائم ہوجائے اور چونکہ یہ لوگ امام المسلمین کے خلاف بھی جنگ کر چکے ہیں اس لئے ہوسکتا تھا کہ ان کے بارے میں پورا انصاف نہ ہو اس لئے قرآن نے تاکید فرمائی کہ دونوں فریق کے حقوق میں عدل وانصاف کی پابندی کی جائے (یہ سب تفصیل بیان القرآن سے لی گئی ہے)

مشاجرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین:

امام ابوبکر بن العربی نے فرمایا کہ یہ آیت قتال بین المسلمین کی تمام صورتوں کو حاوی اور شامل ہے اس میں وہ صورت بھی داخل ہے جس میں دونوں فریق کسی حجت شرعی کے تحت جنگ کے لئے آمادہ ہوجاتے ہیں۔ صحابہ کرام کے مشاجرات اسی قسم میں داخل ہیں۔ قرطبی نے ابن عربی کا یہ قول نقل کر کے اس جگہ

مشاجرات صحابہ جنگ جمل اور صفین وغیرہ کی اصل حقیقت بیان کی ہے اور مشاجرات صحابہ کے بارے میں بعد کے آنے والے مسلمانوں کے عمل کے متعلق ہدایات دی ہیں۔ احقر نے یہ سب مضامین احکام القرآن میں بزبان عربی اور بزبان اردو اپنے رسالہ مقام صحابہ میں تفصیل کے ساتھ لکھ دیئے ہیں یہاں اس کا خلاصہ جو تفسیر قرطبی ص 322 ج 16 کے حوالہ سے اس رسالہ میں دیا گیا ہے نقل کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

"یہ جائز نہیں ہے کہ کسی بھی صحابی کی طرف قطعی اور یقینی طور پر غلطی منسوب کی جائے اس لئے کہ ان سب حضرات نے اپنے اپنے طرز عمل میں اجتہاد سے کام لیا تھا اور سب کا مقصد اللہ کی خوشنودی تھی، یہ سب حضرات ہمارے پیشوا ہیں اور ہمیں حکم ہے کہ ان کے باہمی اختلافات سے کف لسان کریں اور ہمیشہ ان کا ذکر بہترین طریقے پر کریں کیونکہ صحابیت بڑی حرمت کی چیز ہے اور نبی ﷺ نے ان کو برا کہنے سے منع فرمایا ہے اور یہ خبر دی کہ اللہ نے انہیں معاف کر رکھا ہے اور ان سے راضی ہے" اس کے علاوہ متعدد سندوں سے یہ حدیث ثابت ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت طلحہؓ کے بارے میں فرمایا۔

ان طلحة شهيد يمشي على وجه الارض، یعنی طلحہ روئے زمین پر چلنے والے شہید ہیں۔

اب اگر حضرت علیؓ کے خلاف حضرت طلحہؓ کا جنگ کے لئے نکلنا کھلا گناہ اور عصیان تھا تو اس جنگ میں مقتول ہو کر وہ ہرگز شہادت کا رتبہ حاصل نہ کرتے، اسی طرح حضرت طلحہؓ کا یہ عمل تاویل کی غلطی اور ادائے واجب میں کوتاہی قرار دیا جاسکتا تو بھی آپ کو شہادت کا مقام حاصل نہ ہوتا، کیونکہ شہادت تو صرف اس وقت حاصل ہوتی ہے جب کوئی شخص اطاعت ربانی میں قتل ہوا ہو۔ لہٰذا ان حضرات کے معاملہ کو اسی عقیدہ پر محمول کرنا ضروری ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا۔

اس بات کی دوسری دلیل وہ صحیح اور معروف و مشہور احادیث ہیں جو خود حضرت علیؓ سے مروی ہیں اور جن میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "زبیر کا قاتل جہنم میں ہے نیز حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "صفیہ کے بیٹے کے قاتل کو جہنم کی خبر دے دو" جب یہ بات ہے تو ثابت ہو گیا کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ اس لڑائی کی وجہ سے عاصی اور گنہگار نہیں ہوئے، اگر ایسا نہ ہوتا تو حضور حضرت طلحہؓ کو شہید نہ فرماتے اور حضرت زبیرؓ کے قاتل کے بارے میں جہنم کی پیشین گوئی نہ کرتے۔ نیز ان کا شمار عشرہ مبشرہ میں ہے جن کے جنتی ہونے کی شہادت تقریباً متواتر ہے۔

اسی طرح جو حضرات صحابہ ان جنگوں میں کنارہ کش رہے، انہیں بھی تاویل میں خطا کار نہیں کہا جاسکتا، بلکہ ان کا طرز عمل بھی اس لحاظ سے درست تھا کہ اللہ نے ان کو اجتہاد میں اسی رائے پر قائم رکھا جب یہ بات

ہے تو اس وجہ سے ان حضرات پر لعن طعن کرنا ان سے برات کا اظہار کرنا اور انہیں فاسق قرار دینا، ان کے فضائل ومجاہدات اور ان عظیم دینی مقامات کو کالعدم کر دینا کسی طرح درست نہیں، بعض علماء سے پوچھا گیا کہ اس خون کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو صحابہ کرام کے باہمی مشاجرات میں بہایا گیا تو انہوں نے جواب میں یہ آیت پڑھ دی کہ (آیت) تلک امتہ قد خلت لھا ماکسبت ولکم ما کسبتم ولا تسئلون عما کانوا یعملون، یہ ایک امت تھی جو گزر گئی، اس کے اعمال اس لئے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لئے ہیں اور تم سے ان کے اعمال کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا۔

کسی اور بزرگ سے یہی سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا "ایسے خون ہیں کہ اللہ نے میرے ہاتھوں کو ان میں (رنگنے سے) بچایا، اب میں اپنی زبان کو ان سے آلودہ نہیں کروں گا" مطلب یہی تھا کہ میں کسی ایک فریق کو کسی ایک معاملے میں یقینی طور پر خطا کار ٹھہرانے کی غلطی میں مبتلا نہیں ہونا چاہتا۔

علامہ ابن فورکؒ فرماتے ہیں:۔

"ہمارے بعض اصحاب نے کہا ہے کہ صحابہ کرام کے درمیان جو مشاجرات ہوئے ان کی مثال ایسی جیسے حضرت یوسف (علیہ السلام) اور ان کے بھائیوں کے درمیان پیش آنے والے واقعات کی، وہ حضرات آپس کے ان اختلافات کے باوجود ولایت اور نبوت کی حدود سے خارج نہیں ہوئے بالکل یہی معاملہ صحابہ کے درمیان پیش آنے والے واقعات کا بھی ہے"۔ حضرت محاسبیؒ فرماتے ہیں کہ "جہاں تک اس خونریزی کا معاملہ ہے تو اس کے بارے میں ہمارا کچھ کہنا مشکل ہے، کیونکہ اس میں خود صحابہ کے درمیان اختلاف تھا" اور حضرت حسن بصریؒ سے صحابہ کے باہمی قتال کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ "ایسی لڑائی تھی جس میں صحابہ موجود تھے اور ہم غائب وہ پورے حالات کو جانتے تھے اور ہم نہیں جانتے، جس معاملہ پر تمام صحابہ کا اتفاق ہے ہم اس میں ان کی پیروی کرتے ہیں اور جس معاملہ میں ان کے درمیان اختلاف ہے اس میں سکوت اختیار کرتے ہیں"۔

حضرت محاسبیؒ فرماتے ہیں کہ ہم بھی وہی بات کہتے ہیں جو حسن بصریؒ نے فرمائی ہم جانتے ہیں کہ صحابہ کرام نے جن چیزوں میں دخل دیا ان سے وہ ہم سے کہیں بہتر طریقے پر واقف تھے لہٰذا ہمارا کام یہی ہے کہ جس پر وہ سب حضرات متفق ہوں اس کی پیروی کریں اور جس میں ان کا اختلاف ہو اس میں خاموشی اختیار کریں اور اپنی طرف سے کوئی نئی رائے پیدا نہ کریں ہمیں یقین ہے کہ ان سب نے اجتہاد سے کام لیا تھا اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی چاہی تھی اس لئے کہ دین کے معاملہ میں وہ سب حضرات شک وشبہ سے بالاتر ہیں۔

• • •

درسِ حدیث
ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب
رئیس الافتاء جامعہ دارالتقویٰ

حق مہر

قرآن پاک میں ہے کہ مہر مال ہو

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ۔ (سورہ نساء: 24)

اور حلال کی گئیں تمہارے لئے سب عورتیں محرمات کے علاوہ بشرطیکہ تم طلب کرو (نکاح سے) اپنے مال کے بدلے میں۔

مہر کی کم سے کم مالیت جو شرعاً واجب ہے

عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ وَلَا مَهْرَ أَقَلَّ مِنْ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ (شرعی مقدار کے اعتبار سے) مہر دس درہم (56.30 گرام چاندی) سے کم نہیں ہوتا۔ (ابن ابی حاتم)

عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ قَالَ عَلِيٌّ لَا يَكُوْنُ مَهْرٌ أَقَلَّ مِنْ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ (دار قطنی)

شعبی رحمہ اللہ کہتے ہیں حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے فرمایا مہر دس درہم سے کم نہیں ہوتا۔

قرآن وحدیث کے ان دلائل سے یہ معلوم ہونے کے بعد کہ مہر کی کم از کم مقدار دس درہم چاندی شریعت کی طرف سے مقرر کردہ ہے اس سے کم جائز نہیں تو جن حدیثوں میں سرے سے مال کا ہی ذکر نہیں یا بہت ہی حقیر مادی چیز کا ذکر ہے وہ مہر کی شرعی مقدار والی حدیثوں کے قائم مقام تو نہیں ہوسکتیں اور ان سے مراد :1۔ یا تو وہ مادی یا معنوی ہدیہ ہے جو شوہر پہلی یکجائی کے وقت دلجوئی کے لئے بیوی کو دے۔

حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس (کچھ اور لوگ بھی بیٹھے تھے کہ) ایک عورت آئی اور کہا اے اللہ کے رسول ﷺ میں آپ کے لئے اپنے آپ کو بغیر مہر کے پیش کرتی ہوں (تو آپ مجھ سے نکاح

کر لیجئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کا کچھ جواب نہ دیا) وہ عورت خاصی دیر کھڑی رہی۔ اتنے میں ایک صاحب کھڑے ہوئے اور کہا اے اللہ کے رسول ﷺ اگر آپ کو اس عورت (سے نکاح کرنے) کی حاجت نہیں ہے تو اس کے ساتھ آپ میرا نکاح کر دیجئے (عورت کی رضامندی پا کر) نبی ﷺ نے ان صاحب سے پوچھا تمہارے پاس اس عورت کو مہر کے طور پر دینے کے لئے کچھ ہے۔ انہوں نے کہا کہ میرے پاس تو صرف میرا یہ تہہ بند ہے (جو میں پہنا ہوا ہوں اوپر اوڑھنے کی چادر بھی نہیں ہے) آپ ﷺ نے فرمایا (اس سے تو کام نہیں بنے گا کیونکہ جب تم اس کو استعمال کرو گے تو عورت کیا کرے گی اور جب وہ استعمال کرے گی تو تم کیا کرو گے لہٰذا) تم کچھ (اور) تلاش کرو اگرچہ وہ لوہے کی انگوٹھی ہی (جیسی کم قیمت چیز) ہو لیکن ان صاحب کو اور کچھ بھی نہ ملا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے پوچھا (اچھا) تمہیں کچھ قرآن یاد ہے۔ انہوں نے کہا جی ہاں فلاں فلاں سورت مجھے یاد ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا (کسی کو قرآن یاد کرانا معنوی ہدیہ ہے لہٰذا) جتنا قرآن تمہیں یاد ہے اس کے عوض تمہارا نکاح میں نے اس عورت کے ساتھ کر دیا جاؤ اور اس کو بھی اتنا قرآن (یعنی وہ سورتیں) یاد کرا دو (رہا مہر شرعی یا مہر مثل تو وہ بعد میں جب میسر ہو دے دینا)۔ (بخاری و مسلم)

2۔ یا اس سے یہ مراد ہے کہ نکاح تو اگرچہ مہر شرعی یا مہر مثل پر ہوا ہے اور نکاح کے بعد عورت مہر شرعی کا مطالبہ کر سکتی ہے لیکن نکاح کے بعد بھی اس کے اسی کم قیمت مہر پر یا بے مال پر راضی رہنے سے گویا اس نے اپنا شرعی حق معاف کر دیا ہے۔

حضرت عامر بن ربیعہؓ سے روایت ہے کہ بنو فزارہ کی ایک عورت نے ایک جوڑی جوتی کے مہر پر نکاح کر لیا (جو اس وقت کے اعتبار سے دس درہم کی مالیت سے بھی کہیں کم کی تھی) رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا کیا (اب نکاح کے بعد بھی) تم اپنے اتنے (زیادہ) مال کے ہوتے ہوئے اپنی جان کے عوض میں صرف ایک جوڑی جوتی پر راضی ہو۔ اس عورت نے جواب دیا کہ جی ہاں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اس کو جائز فرما دیا۔ (ترمذی)

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہؓ نے حضرت ام سلیمؓ سے نکاح کیا۔ ان کے درمیان جو مہر طے پایا وہ اسلام تھا (اس کا قصہ یہ تھا کہ) حضرت ام سلیمؓ (جو بیوہ تھیں) حضرت ابوطلحہؓ سے پہلے مسلمان ہو گئی تھیں۔ ابوطلحہ نے ان کو پیغام نکاح دیا تو انہوں نے کہا میں تو مسلمان ہو چکی ہوں۔ ہاں اگر آپ بھی مسلمان ہو جائیں تو میں آپ سے نکاح کر لوں گی (اور بس آپ کا اسلام ہی میرے لئے کافی ہوگا مزید مہر کا مطالبہ نہ ہوگا) ابوطلحہؓ مسلمان ہو گئے اور ان کا اسلام ہی ان کا آپس کا مہر تھا حضرت ام سلیمؓ نے نکاح کے بعد بھی مہر کے اپنے شرعی حق کو معاف کئے رکھا)۔ (نسائی)

●●●

عبداللہ مکہ مکرمہ

شوریٰ اور امارت۔۔۔شریعت کے آئینے میں

شریعت کی اصطلاح میں"امارت"کا لفظ دو مفہوموں میں وارد ہوا ہے:

1۔امارت عام

2۔امارت خاصہ

1۔امارت عام

علامہ ماوردی رحمہ اللہ کے نزدیک امارت کی تعریف یہ ہے کہ''امارت خلافت نبوت کے ساتھ خاص ہے جس کا مقصد دین کی حفاظت اور اس کی روشنی میں دنیاوی امور کی سیاست ہے''۔امام جوینی رحمہ اللہ نے بھی اسی کے قریب تعریف بیان فرمائی ہے کہ:''امارت مکمل ریاست،عمومی قیادت کا نام ہے جس کا دائرہ دینی ودنیاوی امور میں ہر خاص وعام تک پھیلا ہوا ہو،بشمول ریاست کی حفاظت،رعیت کی رعایت،دلیل اور تلوار کے ذریعے فریضہ دعوت کا قیام،ظلم وناانصافی کو روکنا،مظلوموں کو ظالموں سے انصاف دلانا،حقوق کی پامالی کرنے والوں سے حقوق حاصل کرنا اور اہل حق تک پہنچانا''۔

مسلمانوں کا''امیر عام''رعایا پر اللہ کی شریعت کے مطابق حکومت کرتا ہے،اور نظام مملکت کو چلانے کے لئے مختلف شعبوں مثلاً فوج،لشکر اور شہروں وغیرہ کے امیر بھی طے کرتا ہے ۔ اس(امیر عام)کو خلیفہ،امیر،حاکم،،بادشاہ والی(ذمہ دار)کے ناموں سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔

علماء اس بات پر متفق ہیں کہ اس امارت کے دو طریقے ہیں:

الف: اختیاری امارت:

اس سے مراد وہ امارت ہے جس میں امیر کا انتخاب دو طریقوں سے ہوتا ہے:

1۔امیر کا انتخاب اہل شوری (اہل حلّ وعقد) کے ذریعے ہو، اور وہ اس مقصد کے لئے نہایت باصلاحیت/ بہترین شخص کا انتخاب کریں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد خلیفہ کا انتخاب کرنے کیلئے یہی طریقہ اختیار کیا اور اس شوری کے لئے ان خاص صحابہ رضی اللہ عنہم کو متعین کیا جو عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔

2۔پہلا امیر اپنے بعد امارت کیلئے خود کسی کا تقرّر کرے۔لیکن ولی عہد کے انتخاب کا فیصلہ بھی امیر اپنے اہل شوریٰ سے مشاورت کے بعد کرتا ہے، تاکہ بہترین اور مناسب امیر کا انتخاب ہوسکے، چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بطور امیر المؤمنین انتخاب بعض صحابہ رضی اللہ عنہ سے مشاورت کے بعد کیا تھا۔

شرعی طور پر امیر کے انتخاب کے یہی دو طریقے ہیں، خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا انتخاب بھی انہیں میں سے کسی طریقہ سے ہوا، اور بیعت بھی شوق ورغبت کے ساتھ ہوئی، ایسے امیر کی امارت باعث رحمت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی مدد بھی اس کے شامل حال ہوتی ہے۔

امام ابن بطہ العکبری رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ: ''حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی بیعت اتفاق رائے سے ہوئی اور رحمت کا باعث بنی۔ انہوں نے نہ تو لوگوں کو اپنی بیعت کی ترغیب دی اور نہ ہی بزور شمشیر لوگوں کو اس پر مجبور کیا اور نہ ہی اپنے خاندان کا اثر ورسوخ استعمال کیا۔آپ کی شرافت نے منصب خلافت کو چار چاند لگا دیئے اور اپنے عدل سے اسے بارونق بنا دیا، آپ کے بلندئ مرتبہ کی وجہ سے منصب خلافت کو بھی سربلندی نصیب ہوئی۔آپ نے اس ذمہ داری کو قبول کرنے سے انکار فرمایا تھا لیکن لوگوں نے اصرار کرکے آپ کو مجبور کردیا''۔(لوامع انوار البھیہ للسفارینی)

ب: اضطراری امارت:

امارت کی اس قسم میں امارت کو غلبہ، طاقت، تسلط اور فتح کے ذریعے حاصل کیا جاتا ہے اور ایسا امیر مسلمانوں یا اہل شوری کے انتخاب سے نہیں بنتا اور نہ ہی وہ اس ذمہ داری کا اہل ہوتا ہے بلکہ وہ ظالم اور مسلمانوں کے امیر کے انتخاب حق کو غصب کرنے والا ہوتا ہے۔ایسے امیر کے ساتھ اللہ تعالی کی مدد ونصرت بھی شامل حال نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ اسے اس کے نفس اور اس کی قوت کے سپرد کردیتے ہیں اور پھر جلد ہی

ایسا وقت آجاتا ہے کہ اس کی امارت کا زوال شروع ہوجاتا ہے، اس سے یا اس کی اولاد سے امارت اسی طرح چھین لی جاتی ہے جیسے اس نے دوسروں سے چھینی تھی۔

تاہم قرآن وحدیث میں مذکورہ بالا دونوں طریقوں سے بننے والے امیر کی اطاعت کرنے کا حکم ہے۔ پھر جس طرح امیر کے رعایا پر حقوق ہیں اور اسی طرح اس کی چھ ذمہ داریاں بھی ہیں۔

اس کے حقوق یہ ہیں کہ اس کی اطاعت کی جائے، اس کے خلاف بغاوت نہ کی جائے، اس کے لئے خیرخواہی اور اچھے جذبات رکھے جائیں۔

جب وہ جہاد کے لئے نکلنے کا کہے تو اس کے ساتھ جہاد کے لئے نکلا جائے اور اس کے خلاف خروج اور بغاوت کرنے والوں کا قلع قمع کیا جائے۔

جہاں تک امیر کے فرائض اور ذمہ داریوں کا تعلق ہے تو وہ بہت سے ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں:

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کو ادا کرنا، عوام کی مصلحتوں کا ادارک کرتے ہوئے اس کے لئے معاش کے ذرائع مہیا کرنا، حدود، قصاص اور تعزیر کا نظام قائم کرکے عوام کے جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت کرنا، اس کے وسائل کو دشمنوں سے محفوظ رکھنا، اس کے لئے ایک اچھی طرز زندگی کے تمام اسباب مہیا کرنا، مثلاً کھانا، لباس، گھر، علاج معالجہ، تعلیم اور دیگر سہولیات، حتی کہ اگر کسی راستہ میں کوئی خچر بھی پھسل جائے تب بھی امیر اس بات کے لئے جواب دہ سمجھا جائے گا کہ اس نے سواری کے لئے صحیح راستہ کیوں فراہم نہیں کیا۔ اسی طرح امیر کے اور بھی کئی فرائض ہیں۔

شرعی امیر کے فرائض کے سلسلے میں علامہ ماوردی رحمہ اللہ نے ''الاحکام السلطانیہ'' جو کہ سیاست شرعیہ کے موضوع پر ایک اہم ترین کتاب ہے، میں فرمایا ہے کہ امیر اور ذمہ دار کے دس فرائض ہیں۔

امیر اور ذمہ دار کے دس فرائض:

1۔ دین کی بنیادوں کی حفاظت

2۔ انصاف پر مبنی فیصلے کرنے والی عدلیہ قائم کرنا تاکہ عوام کے حقوق کی حفاظت ہوسکے۔

3۔ ملک کے اندر امن وامان کو یقینی بنانا

4۔ ملک کی جغرافیائی سرحدوں کا تحفظ کرنا

5۔حدود کا نفاذ کرنا تا کہ محرمات کا ارتکاب نہ کیا جائے اور لوگوں کے حقوق محفوظ رہیں۔

6۔ جہاد فی سبیل اللہ کے فریضہ کا قیام

7۔اموال عامہ یعنی زکوٰۃ، فیئ/غنیمت کو جمع کرنا

8۔اموال عامہ کو مستحق افراد میں تقسیم کرنا

9۔حکومتی عہدوں پر امانتدار اور اہل افراد کا تقرّر

10۔خود بھی معاملات کی نگرانی اور حالات کی تحقیق رکھے تا کہ ملکی سیاست کو فروغ حاصل ہو سکے اور قوم کی حفاظت کو یقینی بنایا جاسکے۔

امیر اور ذمہ دار کے حقوق:

علامہ ماوردی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ''جب امیر مذکورہ بالا امت/ رعایا کے حقوق کا قیام عمل میں لاتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا حق ادا کر دیتا ہے جو اس رعایا کے حوالے سے اس پر لازم تھا، اور ایسے امیر کے لئے امت پر دو حق لازم ہوتے ہیں؛ اس کی اطاعت کرنا اور نصرت کرنا جب تک اس کی یہ حالت برقرار رہے''۔(الاحکام السلطانیہ ص40)

یہ وہ امیر ہے جس کے خلاف خروج کرنا حرام ہے اور جو اس سے علیحدگی اختیار کرے گا گویا وہ جماعت سے علیحدہ اور اسلام کا پٹہ گردن سے اتارنے والا سمجھا جائے گا اور (حدیث پاک کی رو سے) جو علیحدگی اختیار کرتا ہے وہ جہنم میں ڈالا جائے گا اور جو شخص ایسے امیر کے مقابلہ پر آئے گا، وہ قابلِ گردن زنی ہوگا اور اس امیر کی بیعت کرنا لازم ہوگا اور جو شخص بیعت کا موقع ملنے کے بعد بھی بیعت نہ کرے اور مر جائے تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔اسطرح کے اور بھی احکام ہیں جو سیاست شرعیہ سے متعلقہ کتب میں مفصلاً مذکور ہیں۔

اس امیر کے درجہ اور مرتبہ میں وہ لوگ بھی ہوں گے جنہیں اس امیر نے کسی شہر کا ذمہ دار یا کسی کام کو کرنے میں اپنا نائب بنا دیا ہو، اس طور پر کہ امت یا اس کے کسی گروہ نے اس امیر کی بیعت کے ذریعے اس کو اپنے اوپر لازم کیا ہو۔اس امیر کی طاعت اطاعتِ مطلقہ ہوگی اور اسی بنیاد پر اظہار تعلق یا لاتعلقی ہوگا اور اس شخص سے ترک تعلق لازم ہوگا جو اس امیر کی مخالفت کرے اور ایسا کرنا (امیر کی مخالفت کرنا) شریعت کے اندر نئی شریعت پیدا کرنا سمجھا جائے گا جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مصداق ہوگا:

أم لهم شركاء شرعوا لهم من الدين ما لم يأذن به الله..

"کیا ان کے ایسے شریک ہیں جنہوں نے ان کے لئے ایسا دین مقرر کیا ہے جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا"۔

جس طرح اس امیر شرعی کی امارت بالعموم سب پر لازم ہے اور امیر شرعی بننے کے لئے اہل حل وعقد (اہل شوریٰ) کا اس امت کی بیعت کر لینا کافی ہوگا، اسی طرح جو شخص زبردستی، طاقت کے ذریعہ یا کسی علاقہ کو فتح کر کے امیر بنا ہو اور اس کی بادشاہت عوام کے حقوق اور مصلحتوں کو یقینی بنانے کی اہلیت رکھتی ہو تو ہمارے نزدیک اس کی اطاعت بھی لازم ہے۔

اس بات میں اہل علم کا کوئی اختلاف نہیں کہ جو احکام امیر عام کے بارے میں ہیں اس کے علاوہ کسی ذمہ دار یا امیر پر ان احکام کو منطبق کرنا جائز نہیں کیونکہ جو شخص کسی جماعت کا امیر کہلاتا ہے اس کی وہ ذمہ داریاں نہیں ہوتیں جو ایک امیر عام کی ہوتی ہیں۔ لہذا ایسے امیر کے لئے لوگوں سے اطاعت وفرمانبرداری کی بیعت لینا ضروری نہیں ہوتا۔

البتہ اگر کچھ لوگ مل کر کسی کو اپنا امیر مقرر کر لیں یا دعوت وتبلیغ کے امور کے لئے چند لوگوں پر مشتمل ایک شوریٰ قائم کر کے فیصلہ سازی کے لئے ایک شخص کو منتخب کر لیں تو ایسی صورت میں ذمہ دار کی اطاعت کرنا مستحب ہے۔ تاکہ دعوت سے متعلق امور منظم انداز سے چلتے رہیں، لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ جو لوگ ان کی مشاورت سے اتفاق نہ کرتے ہوں ان کو گنہگار نہ گردانا جائے اور نہ ہی اس انتخاب کو دعوت کا کام کرنے والوں کے باہمی تعلق یا لاتعلقی کی بنیاد بنایا جائے گا اور نہ اس سے احکام کا خلط لازم آئے گا اور نصوص شریعت کے مفہوم میں تبدیلی ہوگی جس سے گمراہی کا ایک بڑا راستہ کھل جائے گا اور امت میں فرقے اور گروہ بندی کی مذموم کوشش ہوگی۔

2۔ امارت خاصہ

امارت خاصہ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بعض مصلحتوں کی بنا پر کسی دوسرے پر ولایت حاصل کرنا اور ولایت قائم کرنا۔ (التعاریف الفقہیہ :91ب1)

امارت کے اس خاص مفہوم کے اعتبار سے شریعت میں سوائے امیر سفر کے کوئی ایسی مثال نہیں ملتی جس پر اس لفظ کا اطلاق کیا گیا ہو۔ حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا گیا ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب تم لوگ تین آدمی سفر پر نکلو تو اپنے اوپر ایک ساتھی کو امیر بنالو''۔

یہ وہ امیر یا امارت ہے جس کا آپ ﷺ نے حکم دیا ہے۔

یہ ایک عارضی امارت ہے جو کہ رضامندی کے ساتھ ہی اختیار کی جاسکتی ہے۔ جیسا کہ اگر کچھ لوگ اکٹھے سفر کریں تو ان کیلئے مستحب ہے کہ اپنے سفر کے معاملات میں مشورہ کیلئے کسی کو اپنا امیر مقرر کرلیں تا کہ مقاصد حسنہ کی تکمیل ہو سکے اور مشکلات وزحمتوں سے بچا جا سکے۔ اس قسم کی امارت میں امیر کی بیعت نہیں لی جاتی اور نہ ہی یہ امارت زبردستی حاصل کی جاسکتی ہے۔ اسی وجہ سے اگر کسی مسافر کو اس امیر کی امارت پسند نہ آئے تو اسے اس امیر کے ساتھ سفر ترک کر دینے اور الگ ہوجانے کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔ اس مسافر کا الگ ہوجانا نہ تو گناہ شمار ہوگا اور نہ ہی بغاوت کہلائے گا۔ البتہ سفری امور میں نظم وضبط کے لئے امیر کی اطاعت مستحب ہے۔

یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ امارت خاصہ میں اہل شوریٰ یا اہل جماعت کے اتفاق رائے کے بغیر کسی شخص کا زبردستی امیر بن جانا بالاتفاق ناجائز ہے۔ بصورت دیگر اختلاف وانتشار کا سبب ہوگا۔

بظاہر دینی جماعتوں کی امارت بھی سفری امارت ہی کی ایک قسم ہے، کیونکہ حالت حضر میں مسلمانوں کے لئے امیر عام (حاکم وقت سلطان یا بادشاہ وقت یا امیر) کے علاوہ کوئی اور امیر نہیں ہوسکتا۔ دینی کام کی امارت میں زور زبردستی مناسب نہیں ہے بلکہ اہل شوریٰ کے اتفاق رائے سے امیر مقرر کیا جائے گا تا کہ دعوت کے کام میں لگے ہوئے تمام لوگ اس کی اطاعت کریں اور اختلاف وانتشار سے بچتے ہوئے دین کے تقاضوں کو فکرمندی اور یکسوئی سے انجام دے سکیں۔

امارت خاصہ میں شوریٰ کی رائے کے بغیر زبردستی امیر بننے کے مفاسد بے شمار ہیں جو اگرچہ اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہیں لیکن جو شخص بھی اس معاملے میں سوچ بچار کرے گا تو اس نتیجے پر پہنچے گا کہ دین کا کام اصولوں کے مطابق کرنا ہے ضروری ہے اور امارت کا قیام اہل شوریٰ کے اتفاق رائے سے ہی ہونا چاہئے اور اگر ان سے انحراف کیا گیا تو بڑے مفاسد میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے۔

امارت خاصہ اور امارت عامہ کے احکام میں فرق!

امارت خاصہ کے احکام امارت عامہ سے مختلف ہیں، مثلا:

امیر خاص کی اطاعت صرف انہی پر لازم ہے جنہوں نے اسے امیر بنایا یا امیر تسلیم کیا ہے۔

امیر خاص پر امیر عام کی طرح احکام اور ذمہ داریاں لاگو نہیں ہوتیں البتہ اپنے مامورین کے ساتھ

خیر خواہی اور ان کی مصالح وضرورتوں کی حتی الوسع رعایت اس کے ذمہ ہوتی ہے۔

امیر خاص کی باقاعدہ بیعت نہیں کی جائے گی اور نہ ہی احادیث میں ذکر کردہ وعیدوں ''جس نے امیر سے علیحدگی اختیار کی وہ جہنم میں جائے گا، یا جس نے ایک بالشت برابر جماعت سے علیحدگی اختیار کی اس نے اس اسلام کا قلادہ اپنی گردن سے اتار پھینکا'' وغیرہ احادیث کا اطلاق امیر خاص کی عدم اطاعت پر ہوگا۔

امیر خاص کی حیثیت محض اتنی ہے کہ مسافروں نے اپنے امور میں نظم وضبط اور اپنے معاملات کی بہتری کے لئے اسے منتخب کیا ہے۔لہذا جنہوں نے اس کو اپنے امور کا ذمہ دار بنایا ہے ان پر تو اس کی اطاعت لازم ہے اور جنہوں نے اسے امیر نہیں بنایا ان پر اس کی اطاعت لازم نہیں ہوگی۔

امیر خاص کا دائمی طور پر امیر رہنا لازم نہیں، لہذا اس کی صلاحیتوں کی کمی کے وجہ سے لوگوں نے باہمی مشورہ سے اسے تبدیل کر دیا یا جس مقصد کیلئے اسے امیر بنایا گیا تھا وہ مقصد پورا ہو گیا تو اب بھی اس کی امارت ختم ہو جائی گی۔اس حوالے سے جتنے بھی احکام یہاں ذکر کئے گئے ہیں ان میں اہل علم کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

دینی جماعتوں کی امارت کونسی قسم میں داخل ہے؟

جب ہم دینی جماعتوں میں امارت کے عہدے پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ نہ تو یہ پہلی قسم سے ہے اور نہ ہی دوسری قسم میں داخل ہے۔کیونکہ اگر اسے پہلی قسم (یعنی امارت عامہ) سے مانا جائے تو دینی جماعت کے امیر کیلئے تمام شرعی امور کی پابندی مثلاً پوری امت پر (جس میں علماء ،امراء اور حاکم بھی شامل ہیں) اس امیر کی بیعت کرنا لازم ہوگا، اور ظاہر ہے کہ یہ سراسر باطل ہے۔اسی طرح دینی جماعتوں کی امارت، امیر سفر (یا امارت خاصہ) کی طرح بھی نہیں ہے، کیونکہ عموماً! ان کا امیر مقیم ہوتا ہے، جبکہ امیر سفر تو سفر کے لئے بنایا جاتا ہے۔

چنانچہ ثابت ہوا کہ دینی جماعتوں کی امارت ایک بالکل الگ اور مختلف چیز ہے، اور اگرچہ اپنی ترتیب کے اعتبار سے ایک جداگانہ قسم ہے تاہم فی نفسہٖ ثابت ہے، کیونکہ یہ بدعت مذمومہ کے بجائے عمومی مصالح کے ذیل میں آتی ہے۔اسی طرح دینی جماعت کے دیگر تنظیمی امور کا نصِ شرعی سے ثابت ہونا بھی ضروری نہیں لہذا حسب ضرورت اور حسب احوال ان میں تبدیلی کی جاسکتی ہے۔

نیز اس امارت سے مقصود تنظیمی امور کی دیکھ بھال، مناسب رہنمائی اور تنظیمی امور میں فیصلہ سازی ہوتا ہے اور اس قسم کی امارت کی قرآن وحدیث اور دور صحابہؓ میں کوئی صراحت نہیں ملتی ، بلکہ امیر کے لفظ کا

اطلاق امیر کی درج ذیل اقسام کے علاوہ کہیں نہیں کیا گیا:

1۔امیر عام (خلیفہ اور اس کا قائم مقام امیر)

2۔امیر خاص (امیر سفر)

لہذا ثابت ہوا کہ دینی جماعت میں امیر کی حیثیت مصالح عامہ کے پیش نظر ہے۔ ورنہ کسی نص شرعی سے نہ تو اس کام میں امیر کی تعیین ضروری ہے اور نہ ہی اس سے منع کیا گیا ہے۔لیکن چونکہ امیر مقرر کرنے میں مصلحت راجح ہے، اس لئے جب تک یہ مصلحت حاصل ہوتی رہے تب تک اسے غیر مشروع نہیں کہا جائے گا۔

البتہ اگر اس طرح امیر مقرر کرنے میں مفسدہ غالب آجائے اور مسلمانوں کے درمیان فتنے کا سبب بننے لگے یا امارت عامہ کے احکام کی تطبیق ونفاذ اس امارت پر کیا جانے لگے اس وقت یہ امارت غیر مشروع ہو جائے گی کیونکہ اس کی اجازت عمومی مصالح کی بنا پر دی گئی تھی اور اس حوالے سے قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ وہ مصالح عامۃ المسلمین کے حق میں نفع بخش ہو، اگر نفع بخش نہ ہو یا نقصان دہ ثابت ہو رہی ہو تو پھر اس کا حکم بدل جائے گا۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تراویح کی نماز کے بارے میں فرمایا: ''یہ کیا ہی خوبصورت بدعت ہے۔'' اور جمع قرآن کے بارے میں فرمایا: ''بخدا یہ خیر کا کام ہے۔'' ان دونوں کاموں کے اندر ان کی اصل (یعنی نماز) تو ثابت شدہ ہے تاہم فرع (تراویح) ایک نئی قسم ہے اور اس کی تحسین کی گئی ہے۔ زیر بحث مسئلہ میں بھی یہی صورت حال ہے۔

چنانچہ اگر مصلحت کا تقاضہ ہو کہ پوری جماعت یا پورے ملک یا پوری بستی یا کسی خاص حلقہ یا کسی مسجد کیلئے ایک امیر مقرر کیا جائے تو اس ضرورت ومصلحت کے پیش نظر یہ نئی قسم کی امارت محمود ہوگی۔

اور اگر مصلحت اس بات کی متقاضی ہو کہ معاملات کے حل کے لئے شوریٰ کی جماعت بنا دیجائے اور انہیں ایک خاص ترتیب مثلاً سالانہ، ماہانہ یا ہفتہ وار فیصلہ کرنے کا اختیار سونپ دیا جائے کہ ہر مشورہ کے لئے باہمی رضامندی سے کوئی امیر متعین کرلیا جائے جیسا کہ سفر میں کیا جاتا ہے اور جیسا کہ دنیا کے اکثر ممالک، مختلف خطوں، اور عمومی مساجد میں یہی ترتیب قائم ہے، تو یہ شوریٰ کا نظام بھی بہترین ہے، اور یہ بدعت شمار نہیں ہوگا، جن بعض علماء کرام نے اسے بدعت کہا ان کا یہ کہنا درست نہیں ہے۔

اسی طرح جن بعض علماء نے زیر بحث مسئلے میں امارت کو اس وجہ سے بدعت کہا ہے کہ مذکورہ دو صورتوں کے علاوہ امارت کی کوئی قسم منصوص شرعی نہیں ہے اور جن بعض اہل علم نے اس قسم کی امارت کو

واجب کا درجہ دیتے ہوئے کہا ہے کہ اس کی مخالفت کرنا گویا کمیونزم کی موافقت کرنا ہے، یہ دونوں قول بھی درست نہیں بلکہ افراط وتفریط کے دو انتہاؤں پر ہیں اور حق وہی ہے جو اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ یہ امارت مصالح مرسلہ کے پیشِ نظر روا رکھی گئی ہے۔ چنانچہ جب تک مفاد ومصلحت عامہ حاصل رہے گی اسے غیر مشروع نہیں کہا جائے گا، تاہم اسے واجب شرعی کا درجہ بھی نہیں دیا جائے گا۔

بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ امیر مقرر کرنے سے مقاصد شرعیہ اور خاص کر اجتماعیت اور تالیفِ قلوب جیسے مقاصد حاصل ہو رہے ہوں تو یہ بہت اعلیٰ بات ہے۔ اور اگر اس طرح امیر مقرر کرنے سے مقاصد شرعیہ اور دیگر مقاصد حاصل نہ ہوں بلکہ کسی فتنے کے ظہور کا اندیشہ پیدا ہو جائے تو اس ترتیب کے ناجائز ہونے میں کوئی شک نہیں ہوگا۔

اسی طرح شوریٰ کے قیام اور فیصلوں کا اختیار باری باری دو، تین یا زیادہ لوگوں کو سونپنے سے مقصود بھی اسی اجتماعی مصلحت کا حصول ہے۔ چنانچہ یہ ترتیب بھی مشروع ہے۔ یہی وہ ترتیب تھی جسے دین نے اختیار کیا۔

اس تمام تر تفصیل کے بعد کسی شخص کے لئے مناسب نہ ہوگا کہ حق وناحق کو خلط ملط کرے، اور کہے کہ امارت کی ترتیب ہی سنت ہے، جبکہ سنت تو اجتماعیت ہے بلکہ یہ تو فرض ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا

تاہم ہماری موجودہ ترتیب کے مطابق باہمی اجتماع کی کیفیت کے حوالے سے عالمی طور پر دونوں صورتیں؛ امارت اور شوریٰ رائج ہیں، یہ دونوں ہی پسندیدہ ہیں بشرطیکہ اصل مقصد حاصل ہو اور باہمی الفت اور محبت برقرار رہے۔

جہاں تک امارت سے متعلق آیات واحادیث کا تعلق ہے (سفری امارت کے علاوہ) تو ان کا تعلق امارت کبریٰ سے ہے جسکا قیام امت پر لازم ہے، اور یہ متفق علیہ ہے۔

تاہم مذکورہ بالا تفصیل متلاشیان حق کے لئے کافی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مضمون کو ذریعہ ہدایت ورہنمائی بنائے اور اہل دعوت اور امت کو اپنی مرضیات پر جمع فرمائے۔ آمین۔

• • •

مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی

میراث کی تقسیم میں کوتاہی

جب کسی شخص کا انتقال ہو جائے تو شریعتِ مطہرہ کا حکم یہ ہے کہ انتقال کے فوراً بعد اس کے مال میں سے چار حقوق ادا کیے جائیں۔

۱۔ مرحوم کے کفن و دفن کے متوسط اخراجات نکالے جائیں، اگر کوئی دوسرا شخص اپنی طرف سے کفن و دفن کا انتظام کر دے تو ترکہ سے یہ رقم نہیں لی جائے گی۔

۲۔ مرحوم کے ذمہ کسی کا کوئی قرض واجب الادا ہو تو اس کو ادا کیا جائے، چاہے قرضوں کی ادائیگی میں سارا مال خرچ کرنا پڑ جائے۔ اسی طرح اگر مرحوم نے اپنی بیوی کا مہر ادا نہ کیا ہو اور بیوی نے خوش دلی سے معاف بھی نہ کیا ہو تو یہ بھی قرضہ ہے، اسے ادا کرنا ضروری ہے اور بیوی کو یہ مہر میراث کے علاوہ ملے گا، مہر کا بیوی کے میراث کے حصہ سے کوئی تعلق نہیں، مہر الگ دیا جائے گا اور میراث کا حصہ الگ دیا جائے گا۔

۳۔ تیسرا حق ''وصیت'' ہے، یعنی قرضوں کی ادائیگی کے بعد دیکھا جائے گا کہ مرحوم نے کوئی جائز وصیت کی ہے یا نہیں؟ اگر کوئی جائز وصیت کی ہو تو باقی مال و جائیداد کے ایک تہائی (۱/۳) حصے کی حد تک ان وصیتوں کو پورا کیا جائے گا اور اگر وصیت تہائی مال سے زیادہ کی ہو تو ایک تہائی کی حد تک وصیت پورا کرنا ورثاء پر ضروری ہے، اس سے زیادہ وارثوں کے اختیار میں ہے، چاہے پورا کریں یا نہ کریں۔ البتہ مرحوم کی

www.darultaqwa.org

ناجائز وصیتوں کو پورا کرنا جائز نہیں۔

۴۔ وصیت پوری کرنے کے بعد جو کچھ مال باقی بچے اس کو شریعت کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق تمام ورثاء میں تقسیم کر دیا جائے۔

اس چوتھے حق کے بارے میں آج کل ہمارے معاشرے میں بڑی غفلت پائی جاتی ہے، بہت سے لوگ تو جانتے ہی نہیں کہ مرنے والے کے مال کو ورثاء میں تقسیم کرنا چاہیے اور جو لوگ جانتے ہیں کہ یہ ایک اہم فریضہ ہے اُن میں بھی بہت سے لوگ اس پر عمل نہیں کرتے۔ حالانکہ شریعتِ مطہرہ کے احکام میں سے وراثت تقسیم کرنے کا حکم ایک خاص اہمیت کا حامل ہے اور وراثت تقسیم نہ کرنا اور دوسروں کا حصہ اپنے قبضہ میں رکھ کر استعمال کرنا نہایت سنگین گناہ ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ یوں کیا جا سکتا ہے کہ قرآن کریم نے اپنے اکثر احکامِ شرعیہ کے صرف اصول بیان کیے ہیں اور تفصیلات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و فعل سے مسلمانوں کو سمجھائی ہیں، لیکن بعض احکام کی اہمیت کے پیشِ نظر ان کی تمام تفصیلات کو بھی قرآن کریم نے خود پوری تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ وراثت کی تقسیم کا حکم بھی اُنہی احکام میں سے ہے کہ قرآنِ کریم نے اس کا پورا قانون تفصیل کے ساتھ وضاحت سے بیان کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی تعلیمات میں یوں تو حقوق العباد کی پوری ادائیگی پر زور دیا گیا ہے لیکن وارثوں کے حقوق ادا کرنے کی خصوصیت کے ساتھ تاکید آئی ہے۔ اسی لیے میراث کو شریعت کے مطابق انصاف سے تقسیم کرنا جنت کے اعمال میں سے ہے اور ایک حدیث شریف میں وراثت کی تقسیم میں ظلم اور ناانصافی سے بچنے پر جنت کی ضمانت دی گئی ہے۔ چنانچہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> ''تم چھے چیزوں کی ضمانت لے لو، میں تمھارے لیے جنت کا ضامن ہو جاؤں گا، ان چھے چیزوں میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی بیان فرمایا: وراثت کی تقسیم میں ناانصافی مت کرو، اپنی طرف سے انصاف کرو''۔
> (مجمع الزوائد)

اس کے برخلاف کسی وارث کا پورے ترکہ پر قبضہ جمائے رکھنا اور میراث کو تقسیم نہ کرنا یا تقسیم کے وقت بعض ورثاء کو محروم کرنا یا ان کو کم حصہ دینا ہرگز جائز نہیں، بلکہ سخت گناہ، غصب اور ظلم ہے جو حرام ہے۔

میراث تقسیم نہ کرنے اور دوسروں کا حق کھانے پر وعید:

چنانچہ قرآن کریم میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ورثاء کے حصوں کو بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا:

وَ مَنْ یَعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ یَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ یُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِیْهَا وَ لَهٗ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ۔ (النساء: ۱۴)

ترجمہ": اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی مقرر کی ہوئی حدود سے تجاوز کرے گا اُسے اللہ تعالیٰ دوزخ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کو ایسا عذاب ہوگا جو ذلیل کر کے رکھ دے گا"۔ (آسان ترجمہ قرآن)

نیز احادیث طیبہ میں بھی دوسرے کا مال ناحق استعمال کرنے پر سخت وعیدیں آئی ہیں، ذیل میں چند احادیث طیبہ ملاحظہ ہوں:

حدیث نمبر ۱:

عن سعید بن زید قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من اخذ شبرا من الارض ظلما فانہ یطوقہ یوم القیامۃ من سبع ارضین (مشکوٰۃ المصابیح، ۱۶۳/ ۲)

ترجمہ: "حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے ظلماً کسی کی زمین ایک بالشت بھی لی تو یہ زمین قیامت کے دن سات زمینوں تک اس کی گردن میں طوق بنا کر ڈالی جائے گی"۔

حدیث نمبر ۲:

عن انس قال قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم: من قطع میراث وارثہ قطع اللّٰہ میراثہ من الجنۃ یوم القیامۃ۔ (مشکوٰۃ المصابیح، ۲/۱۹۷)

ترجمہ: "حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے کسی وارث کو میراث سے محروم کر دیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو جنت میں اس کے حصے سے محروم فرمائیں گے"۔

حدیث نمبر ۳:

عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ وسلّم: من کانت لہ مظلمۃ لاخیہ من عرضہ او شئی فلیتحللہ منہ الیوم قبل ان لا یکون دینار ولا درھم ان کان لہ عمل صالح أخذ منہ بقدر مظلمتہ وان لم تکن لہ حسنات اخذ من سیئات صاحبہ فحمل علیہ۔ (صحیح البخاری، ۱/۲۸۹)

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے اپنے کسی بھائی پر ظلم کیا ہے تو آج ہی اس کو معاف کرالے، اس دن کے آنے سے پہلے پہلے جس دن نہ درہم ہوں گے، نہ دینار، (بلکہ اس دن یہ ہوگا کہ) اگر ظالم کے پاس کوئی نیک عمل ہوگا تو اس نے اپنے بھائی پر جتنا ظلم کیا ہوگا اس کے بقدر نیکیاں مظلوم بھائی کو دے دی جائیں گی اور اگر ظالم کے پاس نیکیاں نہیں ہوں گی تو پھر مظلوم کے گناہ

اس ظلم کے برابر ظالم کے اوپر ڈال دیے جائیں گے"۔

لہٰذا کسی شخص کے انتقال کے بعد اوپر ذکر کیے گئے چار حقوق میں سے تین حقوق ادا کرنے کے بعد سب سے اہم ترین فرض یہ ہے کہ جلد از جلد اس کی میراث تقسیم کی جائے، اسی میں عافیت اور راحت ہے، کیونکہ اس وقت مرنے والے کا صدمہ دل میں ہوتا ہے اور دل نرم ہوتا ہے تو تقسیم کا معاملہ بھی آسان ہوتا ہے، لیکن اگر اس وقت میراث تقسیم نہ کی جائے تو جتنی دیر ہوتی رہے گی اُتنی ہی اس میں الجھنیں اور دشواریاں پیدا ہوتی چلی جائیں گی۔ یہاں تک کہ لڑائی جھگڑوں تک نوبت پہنچ جاتی ہے کیونکہ جوں جوں مرنے والے کا صدمہ کم ہوتا چلا جاتا ہے دنیا کی محبت دل میں بڑھتی چلی جاتی ہے اور باہمی اختلاف ہوتا ہے، اس لیے جتنا جلدی ہو سکے میراث تقسیم کر لینی چاہیے، کیونکہ مرنے کے بعد ایک سوئی کے برابر مال میں بھی تمام ورثاء حصہ دار اور شریک ہو جاتے ہیں۔ ان سب کی رضامندی کے بغیر مالِ میراث کا استعمال کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ بالخصوص اگر ورثاء میں نابالغ بھی ہو تو پھر معاملہ اور زیادہ سنگین ہو جاتا ہے کیونکہ نابالغ کی اجازت بھی شرعاً معتبر نہیں اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یتیموں کا مال کھانے کو "پیٹ میں آگ بھرنے" سے تعبیر فرمایا ہے۔

تقسیمِ میراث میں ہونے والی کوتاہیاں:

ہمارے معاشرے میں میراث تقسیم کرنے کے حوالے سے جو کوتاہیاں پائی جاتی ہیں اُن میں سے چند مشہور صورتیں ذیل میں لکھی جاتی ہیں تاکہ اُنھیں پڑھ کر اپنی غلطی کا احساس ہو اور گناہ سے بچنے کی فکر پیدا ہو۔

والد کے ساتھ تعاون کرنے والے بیٹوں کا کاروبار پر قبضہ جمائے رکھنا:

جو بیٹے والد مرحوم کے ساتھ اُن کی زندگی میں کاروبار میں معاونت کرتے ہیں اور کاروبار سنبھالتے ہیں وہ اپنے والد کے انتقال کے بعد اس کاروبار کے مالک بن کر بیٹھ جاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ شروع سے ہم نے کاروبار سنبھالا ہے لہٰذا یہ ہماری محنت ہے، یہ میراث میں شامل نہیں ہوگا۔ حالانکہ عموماً اس کاروبار میں بیٹوں کا اپنا ذاتی کوئی حصہ نہیں ہوتا، بلکہ وہ اپنی محنت کا کچھ عوض لے کر کام کرتے ہیں، ایسی صورت میں

شرعی لحاظ سے کاروبار والد ہی کا ہوتا ہے اس لیے دیگر مال و جائیداد کی طرح یہ بھی ترکہ میں شامل ہوگا۔ ہاں مرحوم کی میراث تقسیم کرتے وقت اگر کاروبار سنبھالنے والے بیٹوں کا حصہ اتنا بنے جتنی مالیت کا کاروبار ہے تو وہ اپنے حصہ میں کاروبار لے سکتے ہیں۔

گھر کے ساز وسامان پر بیوہ کا قبضہ کرنا:

بعض جگہ یہ ہوتا ہے کہ مرحوم کے کاروبار، کارخانے اور دکان وغیرہ پر تو لڑکے قبضہ کر لیتے ہیں اور گھر کا جتنا سامان ہوتا ہے وہ سب بیوہ کے قبضے میں آجاتا ہے اور بیوہ اس کی مالک بن کر بیٹھ جاتی ہے اور جس طرح چاہتی ہے اس میں تصرف کرتی ہے۔ جب تک بیوہ زندہ ہوتی ہے وہ میراث تقسیم نہیں کرتی بلکہ اس کو ماں کی نافرمانی میں شمار کیا جاتا ہے، حالانکہ جس طرح لڑکوں کا جائیداد پر قبضہ کرنا ناجائز ہے اسی طرح بیوہ کا گھر کے سامان پر قبضہ کرنا اور تقسیم نہ کرنا بھی ناجائز ہے، بلکہ یہ تمام مال و جائیداد اور ساز وسامان ورثاء کا حق ہے اور باپ کے انتقال کے بعد ماں کی زندگی میں میراث تقسیم کرنے میں ماں کی نافرمانی ہرگز نہیں ہے، کیونکہ میراث کی تقسیم شریعت کا حکم ہے۔

بیوہ سے مہر معاف کرانا یا اس کو مہر دے کر میراث کا حصہ نہ دینا:

بعض جگہوں پر یہ رواج ہے کہ شوہر کے انتقال کے بعد بیوہ سے زبردستی مہر معاف کروایا جاتا ہے اور وہ بیوہ بے چاری مجبور ہو کر بادلِ ناخواستہ مہر معاف کر دیتی ہے۔ یہ طریقہ شرعاً جائز نہیں بلکہ اگر اس طرح بیوہ اپنا مہر معاف کر دے تب بھی معاف نہیں ہوگا اور بیوہ کو مہر دینا ضروری ہوگا۔ بعض لوگ مہر تو معاف نہیں کرواتے لیکن شوہر کے انتقال کے بعد اس کو میراث میں سے حصہ نہیں دیتے بلکہ مہر دے کر جان چھڑا لیتے ہیں، یہ طریقہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ شرعی لحاظ سے مہر کا بیوی کے میراث کے حصہ سے کوئی تعلق نہیں، لہٰذا مہر الگ ادا کیا جائے گا اور میراث کا حصہ الگ دینا ضروری ہے۔

دوسری شادی کرنے کی صورت میں بیوہ کو میراث کا حصہ نہ دینا:

بعض جگہوں میں یہ دستور ہے کہ بیوہ اگر دوسرا نکاح کر لے تو اسے شوہر کی میراث سے محروم کر دیتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بیوہ یا تو تنہائی کی زندگی سے بچنے کے لیے دوسرا نکاح کر کے مال سے ہاتھ دھو

بیٹھتی ہے یا اپنے حصۂ میراث کو محفوظ رکھنے کی خاطر دوسرا نکاح نہیں کرتی، عمر بھر بیوہ رہتی ہے اور طرح طرح کی مصیبتیں برداشت کرتی ہے۔ یاد رکھیں کہ دوسرا نکاح کرنے سے بیوہ کا حقِ میراث ہرگز ختم نہیں ہوتا بلکہ دوسرے ورثاء کی طرح وہ بھی اپنے مقررہ حصے کی پوری پوری حق دار ہوتی ہے۔

دوسرے قبیلہ کی بیوہ کو میراث سے محروم کرنا:

بعض خاندانوں میں یہ رواج بھی ہے کہ جو عورت شوہر کے قبیلہ سے نہ ہو اُسے میراث کا حصہ نہیں دیتے، یہ بھی بہت بڑا ظلم اور جہالت ہے۔ بیوہ ہر حال میں اپنے شوہر کی میراث میں حصہ دار ہے خواہ وہ شوہر کے خاندان سے ہو یا کسی دوسرے خاندان سے۔

بہنوں کو میراث سے محروم کرنا:

یہ بدترین رسم تو اکثر دین دار گھرانوں میں بھی پائی جاتی ہے کہ میراث میں بہنوں کو حصہ دار نہیں سمجھا جاتا اور یہ سمجھتے ہیں کہ باپ کی میراث میں صرف بیٹے حق دار ہیں، بیٹیوں کا کوئی حق نہیں۔ بعض لوگ جو بہنوں کو حصہ دار سمجھتے ہیں وہ بھی کسی نہ کسی طرح بہنوں سے ان کا حصہ معاف کروا لیتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ تم اپنے حصۂ میراث سے ہمارے حق میں دستبردار ہو جاؤ، چنانچہ بہنیں مجبور ہو کر زبانی طور پر یہ کہہ دیتی ہیں کہ ہم اپنا حصہ چھوڑتی ہیں، اس کے بعد بھائی یہ سمجھتے ہیں کہ اب ہم اکیلے اس میراث کے حق دار ہیں۔ یاد رکھئے! یہ سراسر ظلم ہے، زمانہ جاہلیت کی رسمِ بد ہے اور اس میں خلافِ شرع ہندوؤں کی ظالمانہ رسم کی تائید و ترویج ہے۔ اس طرح زبانی دستبرداری اور شرما شرمی میں معاف کرنے کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں اور اس طرح معاف کرنے سے بہنوں کا حق ختم نہیں ہوتا اور نہ ہی بھائیوں کے لیے بہنوں کا حصہ اپنے استعمال میں لانا حلال ہوتا ہے۔ لہٰذا بھائیوں پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خوف کھائیں، اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی سے ڈریں اور آخرت کی پکڑ سے بچتے ہوئے بہنوں اور دیگر تمام ورثاء کو ان کا پورا پورا حصہ علیحدہ علیحدہ کر کے عملاً اُن کے قبضہ میں دیں، اس کے بعد اُنھیں اختیار ہوگا کہ جہاں چاہیں خرچ کریں۔

شادی شدہ بہنوں کو میراث کا حصہ نہ دینا:

ایک بری رسم یہ بھی ہے کہ غیر شادی شدہ بہنوں کو تو میراث میں حصہ دے دیتے ہیں، لیکن شادی شدہ

بہنوں کو میراث میں حصہ نہیں دیا جاتا اور اگر وہ مطالبہ کریں تو یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ والد صاحب نے تمھاری شادی کے موقع پر تمھارا جو جہیز تیار کر کے دیا تھا اس سے تمھارا حق ادا ہو گیا۔ خوب سمجھ لیجئے! یہ سوچ بھی بالکل غلط ہے۔ اوّل تو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں لڑکیوں کا حصہ مقرر فرمایا ہے، اس میں غیر شادی شدہ ہونے کی کوئی قید نہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ زندگی میں باپ اپنی اولاد کو جو کچھ دیتا ہے وہ ہدیہ اور تحفہ ہے، اس کا میراث سے کوئی تعلق نہیں۔ میراث تو وہ مال ہے جو انسان مرتے وقت چھوڑ کر جاتا ہے اور اس میں سارے ورثاء اپنے اپنے حصوں کے مطابق حق دار ہوتے ہیں، اس لیے زندگی میں کسی وارث کو کچھ مال دینے سے میراث میں اس کا حصہ ختم نہیں ہوتا۔ لہٰذا شادی شدہ بہنیں بھی اپنے حصہ کی حق دار ہیں۔

مشترکہ ترکہ میں سے کوئی چیز یادگار کے طور پر رکھنا یا صدقہ کرنا:

بعض وارث ترکہ کی تقسیم سے پہلے میت کی یادگار کے طور پر کسی چیز کو معمولی سمجھ کر یا بابرکت سمجھ کر اپنے پاس رکھ لیتے ہیں جس کی دوسرے ورثاء سے اجازت نہیں لی جاتی، اسی طرح میت کے ایصالِ ثواب کے لیے مشترکہ ترکہ میں سے مال خرچ کیا جاتا ہے، حالانکہ تمام ورثاء کی رضا مندی کے بغیر اس طرح کرنا جائز نہیں اگرچہ وہ معمولی چیز ہی کیوں نہ ہو۔ اور اگر ورثاء میں کوئی نابالغ ہو تو اس کی اجازت اور معافی بھی معتبر نہیں۔ ہاں اگر سب وارث عاقل و بالغ ہوں اور دلی رضامندی سے کسی وارث کو کوئی چیز دے دیں یا جائز طریقہ سے صدقہ کریں تو اس کی اجازت ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو شریعت کے مطابق عدل وانصاف کے ساتھ میراث تقسیم کرنے اور اس میں ہونے والی کوتاہیوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

• • •

مرسلہ: مفتی محمد راشد ڈسکوی

حضرت سہارنپوریؒ اور حضرت تھانویؒ کا ایک دلچسپ فقہی مکالمہ

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ اور حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ ایک سفر میں ساتھ تھے۔ حضرت مولانا تھانویؒ کے یہاں ہدیہ قبول کرنے کے کچھ اصول مقرر تھے، مگر مستثنیات بھی تھے۔ ایک شخص نے اس سفر میں حضرت تھانویؒ کو ایک گھڑی ہدیہ میں پیش کی، حضرتؒ نے قبول فرمالی۔ حضرت سہارنپوریؒ نے بعد میں ارشاد فرمایا کہ: اگر یہ گھڑی ضرورت سے زائد ہو تو اس کو میرے ہاتھ فروخت کر دیں۔ حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ ''میں بھی آپ کا اور گھڑی بھی آپ کی، یوں ہی لے لیجئے''۔ اس پر حضرت سہارنپوریؒ نے فرمایا کہ: ''میں ابتدا خریدنے کی کر چکا ہوں، اس لئے اب ہدیہ نہیں ہوسکتا، ہدیہ تو ابتداءً ہوتا ہے''۔ بالآخر کچھ گفتگو کے بعد معاملہ طے ہو گیا اور حضرت سہارنپوریؒ نے گھڑی خرید لی۔ جب اُس مُہدِی (ہدیہ دینے والے) کو اِس واقعہ کا علم ہوا، تو اس کو گرانی ہوئی۔ تو حضرت تھانویؒ نے حضرت سہارنپوریؒ سے فرمایا کہ وہ گھڑی واپس کر دیں۔ حضرت سہارنپوریؒ نے فرمایا کہ کیا خیارِ شرط تھا، جو واپس کروں؟ (خیارِ شرط کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ خریدنے والا شرط لگائے کہ تین دن تک مجھے لینے یا نہ لینے کا اختیار ہوگا، جی چاہے گا تو لے لیں گے، ورنہ لوٹا دیں گے۔ اسی بیچنے والے کو بھی اس بات کا اختیار ہوتا ہے کہ وہ یہ شرط لگائے کہ تین دن تک مجھے بیچنے یا نہ بیچنے کا اختیار ہے، جی چاہا تو بیچ دیں گے، وگرنہ واپس لے لیں گے۔ اس میں تین دن سے زیادہ کی شرط لگانا درست نہیں ہوتا۔) حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ خیارِ شرط تو نہ تھا، مگر ہدیہ دینے والے کو اس فروخت کر دینے سے گرانی ہو رہی ہے، اس لئے واپسی کا مطالبہ کر رہا ہوں۔ (یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہدیہ میں ملی ہوئی چیز کے بارے میں اگر یہ معلوم ہو کہ اس کے فروخت کر دینے کو ہدیہ دینے والا اچھا نہیں سمجھے گا، تو اس چیز کو بیچنا نہیں چاہئے)

اس پر حضرت سہارنپوریؒ نے فرمایا کہ (فروخت کرتے وقت) ہدیہ دینے والے کی رضا کو تو شرط قرار نہیں دیا گیا تھا، ہمارے درمیان تو بیع کی بات ہوئی تھی۔ (یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر بیع میں یہ شرط ٹھہرائی جائے کہ ''اگر ہدیہ دینے والے کو اس چیز کے فروخت ہوجانے پر تکلیف ہوئی تو اس بیع کو فسخ کردیا جائے گا'' تو اس بیع کو فسخ کرنا درست ہے، ورنہ نہیں) تب حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ: اچھا تو اقالہ کرلیجئے۔ (اقالہ کہتے ہیں بیع یعنی خرید وفروخت والے معاملے کو ختم اور فسخ کرنے کو) حضرت سہارنپوریؒ نے فرمایا کہ: اقالہ کی صحت کے لئے طرفین کی رضامندی شرط ہے اور میں تو اقالہ پر راضی نہیں ہوں۔ (اقالہ کے صحیح ہونے کی ایک شرط یہ بھی ہوتی ہے کہ بیچنے والا اور خریدنے والا دونوں اس معاملے کو ختم کرنے پر راضی ہوں۔ اگر ایک راضی ہوا اور دوسرا راضی نہ ہوا تو شرعاً اقالہ صحیح نہ ہوگا) حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ آپ میرے بڑے ہیں اور چھوٹوں کی خاطر بڑے راضی ہو ہی جایا کرتے ہیں، آپ بھی راضی ہوجایئے۔ اس پر حضرت سہارنپوریؒ نے فرمایا کہ میں ضرور راضی ہوجاتا، مگر میں نے وہ گھڑی اپنے لئے نہیں خریدی تھی، بلکہ میرے ایک دوست ہیں، ان کے واسطے ان کی نیت سے خریدی ہے، میں ان کی طرف سے وکیل بالشراء تھا، چنانچہ شرائ (خریداری) پر توکیل پوری ہوگئی، اب مجھے اس میں تصرف کرنے کا حق نہیں رہا، اس لئے کہ وکیل کو اس کام کے انجام دینے کے بعد جس کا اس کو وکیل بنایا گیا تھا، تصرف کرنے کا حق نہیں رہتا۔ (اس سے معلوم ہوا کہ وکیل جب اپنے مؤکل کے لئے کوئی چیز خرید لے تو اس خریدنے کے بعد وہ اس میں کوئی تصرف نہیں کرسکتا) پھر کسی اور مجلس میں جس میں وہ مُہدِی بھی موجود تھے، حضرت سہارنپوریؒ نے وہ گھڑی حضرت تھانویؒ کو دے دی۔ حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ اس وقت تو ایسا فرمارہے تھے، اب کیا ہوا؟ تو فرمایا کہ معاملہ تو اسی طرح ہے جس طرح میں نے بتایا تھا، مگر مجھے اپنے دوست پر اعتماد ہے، مجھے اطمینان ہے کہ میرے اس تصرف سے انہیں گرانی نہیں ہوگی۔ (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر وکیل بنانے والا ایسا فرد ہو جس نے وکیل کو اختیارِ کامل دیا ہو کہ جیسے مناسب سمجھو تصرف کرو تو پھر اس طرح کے تصرفات کرنے کی اجازت ہوگی) اپنے اکابرین کی اس دور اندیشی اور شریعت کی پاسداری کو دیکھتے ہوئے ہمیں بھی اس بات کا عزم کرنا چاہئے کہ ہم بھی اپنے ہر طرح کے کاموں میں شریعت کی حدود و قیود کا لحاظ رکھیں گے۔ اس کے لئے جہاں علمِ دین کے حصول کی ضرورت پڑے گی، وہاں ان اکابرین کی سوانح کا مطالعہ بھی کرنا ہوگا، تاکہ ہر دینی و دنیوی معاملے میں شریعت کی پاسداری کا اہتمام کرنے میں راہنمائی ملتی رہے۔

• • •

جامعہ دارالتقویٰ لاہور

تعارف، خدمات، اہداف

جامعہ دارالتقویٰ نصف صدی سے تشنگان علوم نبویہ کی علمی پیاس بجھانے میں مصروف ہے۔ 1967ء سے قائم اس عظیم درسگاہ کی بنیاد جس اخلاص اور للہیت پر رکھی گئی اس کی برکت سے اس پودے نے مختصر وقت میں تناور درخت کی صورت اختیار کر لی اور ایسا شرف قبولیت عطا ہوا کہ دیکھتے ہی دیکھتے ترقی کی منازل طے کرتے ایک عظیم دینی درسگاہ کے طور پر علمی حلقوں میں مقام بلند پر جا پہنچا۔ تشنگان علم و معرفت اس چشمہء علم و عرفان کی طرف ایسے کھنچے چلے آئے کہ آج الحمدللہ جامعہ کی 14 شاخوں میں 2000 سے زائد طلباء و طالبات زیر تعلیم ہیں۔

جامعہ اول روز سے ہی تبلیغی و تربیتی بنیادوں پر قائم ہے اور ادارے میں تعلیم کے ساتھ ساتھ اصلاحی تربیت کا بھرپور اہتمام کیا جاتا ہے۔ جس کے لیے باقاعدہ تبلیغی اعمال کی ترتیب اور وقتاً فوقتاً اکابر علماء کرام کے اصلاحی بیانات جامعہ کی خصوصیات میں شامل ہیں۔

جامعہ کے مختلف شعبہ جات

شعبہ حفظ	درس نظامی	دورہ حدیث شریف
دارالافتاء	اعدادیہ	شعبہ نشر و اشاعت
شعبہ بنات	سمر کیمپ	صف النساء

التقویٰ سکول سسٹم

The Mark of Leader
POPULAR® PIPES

YOUR HOME & FAMILY IS SAFE

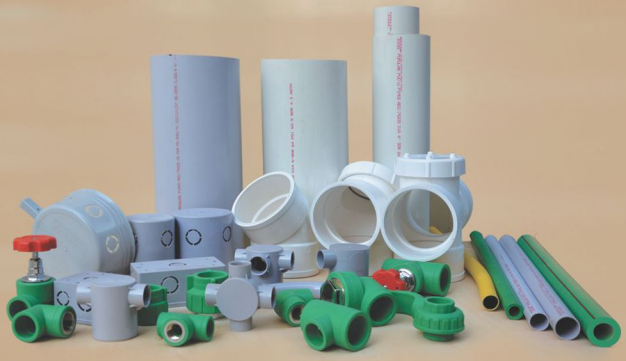

OUR PRODUCTS

■Un- plasticized polyvinyl chloride (U-PVC) Electrical conduits
■ Un- plasticized polyvinyl chloride (U-PVC) high pressure piping system
■ Un- plasticized polyvinyl chloride (U-PVC) soil, waste & vent system
■ Polyvinyl chloride (PVC) solvent cements & cleaner
■ Polypropylene random coplymer (PPR-100) Hot & Cold water system
■ High density Polyethylene (HDPE) pipes and fitings ■ Polyvinyl chloride (PVC) cable trunk
Polyvinyl chloride (PVC) Garden & Gas pipes ■ Poly carbonate (PC) Popular switch & socket
■ Polyvinyl chloride (PVC) Electrical insulation Tape ■ Polyvinyl chloride (PVC) Foam Board

PROVIDING YOU THE BEST IS OUR FORTE

Product Verification
GET IT ON Google Play
Popular pipes Group
www.popularpipesgroup.com
popularpipesgroupofcompanies

Popular

PVC FOAM BOARD

Save Trees Save Lives

POPULAR PIPES GROUP OF COMPANIES INTRODUCES NEW PRODUCT....

دیمک اور کیڑوں سے محفوظ

پانی اور نمی کے اثرات سے محفوظ

مضبوط سخت ہموار سطح

کیل کو مضبوطی سے پکڑنے کی طاقت

آگ لگنے کے خلاف بھرپور قوتِ مدافت

موسمی اثرات کے خلاف بھرپور قوتِ مدافت

Izmir Housing Society, 1st Floor, Habib Center, Block A Plot # 4
Commercial Plaza, 8KM Thokar Niaz Baig, Lahore, Pakistan

+92-111-11-8782(UPVC)
+92-42-35979601-3

+92-42-35979604

info@popularpipe.com

www.popularpipesgroup.com

اہداف

ایک بڑے دارالعلوم کے قیام کا عزم

شعبہ بنین کے لئے موجودہ جگہ میں شدید قلت کا سامنا ہے، اسلئے طلباء کی بڑھتی ہوئی تعداد اور ادارے کی روز افزوں مقبولیت کے باعث اراکین ادارہ نے یہ عزم کیا ہے کہ لاہور یا اس کے گردونواح میں ایک وسیع قطعہ اراضی حاصل کرکے ایک بڑے دار العلوم کی بنیاد رکھی جائے۔ جہاں طلباء کی ضروریات اور انکی تعلیمی مصروفیات بہتر انداز سے پوری ہوسکیں۔ اور وہاں دینی علوم کے ساتھ ساتھ طلبائے دین کو عصری علوم کے سے بھی بہرہ ور کیا جاسکے۔

اس سلسلے میں احباب سے دعاؤں کے ذریعے خصوصی تعاون کی درخواست ہے۔

جامعہ دارالتقوی مری

مری میں چند سال پہلے جامعہ کے زیر اہتمام ایک مختصر سا ابتدائی مدرسہ شروع کیا گیا تھا۔ جواب الحمدللہ ایک مضبوط مدرسے میں تبدیل ہوچکا ہے۔ اور وہاں اس وقت طلباء کے ساتھ ساتھ طالبات کی بھی کثیر تعداد زیرِ تعلیم ہے۔ اب اس مدرسے کی توسیع کے لئے ادارہ جگہ حاصل کرچکا ہے۔ اور عنقریب تعمیر بھی شروع ہوجائیگی انشاءاللہ۔ اس سلسلے میں بھی احباب سے خصوصی دعاؤں کی عاجزانہ درخواست ہے۔

اظہارِ تشکر

ادارہ ہذا کی مستقل آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ جامعہ اور اس کی 14 شاخوں میں زیرِ تعلیم ہزاروں طلباء و طالبات کے ماہانہ لاکھوں کے تعلیمی اخراجات اللہ پاک کے خاص فضل و کرم اور اہلِ خیر احباب کے خصوصی تعاون سے پورے ہوتے ہیں۔ اس پر ادارہ انتظامیہ اپنے رب کریم اور اس کے خاص بندوں کی بے حد شکرگذار ہے اور پرامید ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل و کرم اور اپنے معاونین کے خصوصی تعاون سے جامعہ کے مستقبل کے منصوبہ جات بھی جلد تکمیل کو پہنچیں گے ان شاءاللہ

الداعی الی الخیر: اہل شوریٰ

برائے رابطہ:

042-37414665 - 0321-7771130

اکاؤنٹ نمبرز.....ٹائٹل اکاؤنٹ: مدرسہ فاطمۃ الزہراء

اکاؤنٹ نمبر 0010004203780017 (الائیڈ بینک، سمن آباد لاہور

ٹائٹل اکاؤنٹ: دارالتقویٰ ٹرسٹ

اکاؤنٹ نمبر 0233-0010770769 (NIB گلشن راوی برانچ لاہور

از: مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی

اسلام میں گود لینے کا مسئلہ

www.darultaqwa.org

اسلام میں نکاح، طلاق اور وراثت کے قوانین پر نظر ڈالی جائے تو اس کے لیے اس کے اپنے مستقل ضابطے اور اس کی اپنی حدود ہیں، مثلاً نکاح کن لوگوں سے کن رشتوں میں ہوسکتا ہے، کن میں نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح طلاق کا معاملہ ہے کہ طلاق کے بعد عورت کس سے نکاح کرسکتی ہے، کس سے نہیں۔ اسی طرح اسلام میں وراثت کا قانون خون کے حقیقی رشتوں کی بنیاد پر حصے مقرر کرتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ اسلامی معاشرت کا ایک اخلاقی معیار ہے۔ جن رشتوں میں یہ ضروری ہے کہ عورت اور مرد، لڑکا اور لڑکی ایک ساتھ رہیں، ایک ساتھ پلیں بڑھیں، ایک ساتھ زندگی گزاریں۔ ان رشتوں میں اسلام نے ایسا ذہنی تقدس پیدا کردیا ہے کہ کسی برے خیال کا ان کے درمیان گزر نہ ہوسکے، مثلاً بہن کا رشتہ، باپ بیٹی کا رشتہ، ماں اور اولاد کا رشتہ؛ تاکہ ان رشتوں میں خلا ملا ہونے کے باوجود کوئی غلط نتیجہ سامنے نہ آسکے۔ منہ بولے رشتے میں خواہ کتنا ہی تقدس پیدا کردیا جائے، مصنوعی رشتوں کے رسمی تقدس پر بھروسہ کرکے اسلامی معاشرے کو گدلا نہیں کیا جاسکتا۔

عرب کا دستور

اسلام سے پہلے عرب کا دستور یہ تھا کہ یہ لوگ جس بچے کو گود لے کر متبنّیٰ بنا لیتے تھے اس کو حقیقی اولاد کی طرح سمجھتے تھے، اسے وراثت ملتی تھی، منھ بولی ماں اور منھ بولی بہنیں اس سے وہی خلا ملا رکھتی تھیں جو حقیقی

بیٹے اور بھائی سے رکھا جاتا ہے۔

منہ بولے باپ کی بیٹیوں کا اور اس کے مرجانے کے بعد اس کی بیوہ کا نکاح اسی طرح ناجائز سمجھا جاتا تھا، جس طرح سگی بہن اور حقیقی ماں کے ساتھ کسی کا نکاح حرام ہوتا ہے۔ اور یہی معاملہ اس صورت میں بھی کیا جاتا تھا جب منھ بولا بیٹا مرجائے یا اپنی بیوی کو طلاق دیدے۔ منہ بولے باپ کے لیے وہ عورت سگی بہو کی طرح ہوتی تھی۔

حضرت محمد ﷺ کے منہ بولے بیٹے حضرت زیدؓ

۵۹۵ء میں جب حضرت محمد ﷺ نے حضرت خدیجہؓ سے نکاح کیا تو حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ کی خدمت کے لیے ایک پندرہ سالہ غلام زید بن حارثہؓ کو پیش کیا۔ زیدؓ یمن کے قبیلے بنوقضاعہ کے سردار حارثہ بن شراحیل کے لختِ جگر تھے۔ آٹھ سال کی عمر میں ڈاکوؤں کے ہاتھ لگ گئے تھے۔ زید کی والدہ سُعدیٰ بنتِ ثعلبہ قبیلۂ طے کی شاخ بنی مَعن سے تھیں۔ یہ اپنی والدہ کے ساتھ ننہال گئے، وہاں سفر میں ان کے پڑاؤ پر قین بن جسر کے لوگوں نے حملہ کیا، پکڑے جانے والوں میں نوعمر زید بھی تھے، ان لوگوں نے طائف کے قریب عُکاظ کے قبیلے میں ان کو بیچ دیا۔ خریدار تھے حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے حکیم بن حزامؓ۔ انھوں نے زید کو اپنی پھوپھی حضرت خدیجہؓ کی نظر کردیا۔ حضرت خدیجہؓ سے نکاح کے بعد حضور ﷺ نے زیدؓ کو حضرت خدیجہؓ کے یہاں دیکھا اور ان کی عادات واطوار آپ ﷺ کو پسند آئیں، تو آپ ﷺ نے ان کو حضرت خدیجہؓ سے مانگ لیا اور حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کردیا۔

کافی دنوں کے بعد زید کے گھر والوں کو پتہ لگا کہ زید مکے میں ہیں، تو ان کے والد حارثہ بن شراحیل اور ان کے ساتھ زید کے چچا تلاش کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے اور عرض کیا کہ آپ جو فدیہ چاہیں ہم دینے کو تیار ہیں، ہمارا بچہ آپ ہمیں دے دیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ: میں لڑکے کو بلاتا ہوں اور اس کی مرضی پر چھوڑ دیتا ہوں اگر وہ آپ کے پاس جانا چاہے گا تو میں کوئی فدیہ نہ لوں گا اور آپ کا بچہ آپ کے حوالے کردوں گا۔ حضور ﷺ نے زید کو بلایا اور ان سے کہا: ان دونوں صاحبوں کو جانتے ہو؟

انھوں نے عرض کیا: جی ہاں! یہ میرے والد ہیں اور یہ میرے چچا ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ لوگ تمھیں لینے آئے ہیں، اگر تم جانا چاہو تو ان کے ساتھ جاسکتے ہو، میری طرف سے تمھیں اجازت ہے۔

حضرت زیدؓ نے بلا تأمل جواب دیا: میں آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا۔ والد اور چچا حیران ہو گئے اور کہا زید! کیا تو آزادی پر غلامی کو ترجیح دیتا ہے؟ اور اپنے ماں باپ اور خاندان کو چھوڑ کر غیروں کے پاس رہنا چاہتا ہے؟ زیدؓ نے جواب دیا: میں نے ان میں جو اوصاف دیکھے ہیں، اس کے بعد میں دنیا میں کسی کو بھی ان پر ترجیح نہیں دے سکتا۔ حضرت زیدؓ کا یہ جواب سن کر باپ اور چچا بہ خوشی راضی ہو گئے کہ زید کو حضور ﷺ کے پاس رہنے دیں۔

جب وہ مایوس ہو کر لوٹنے لگے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زیدؓ اور ان کے والدین کو حرم میں لے جا کر قریش کے عام مجمع میں اعلان فرمایا کہ: میں زید کو آزاد کرتا ہوں آپ سب لوگ گواہ رہیں کہ آج سے زید میرا بیٹا ہے، یہ مجھ سے وراثت پائے گا اور میں اس سے۔

اسی بنا پر لوگ ان کو زید بن محمد کہنے لگے۔ یہ سب واقعات نبوت سے پہلے کے ہیں۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم منصب نبوت پر

۲/فروری ۶۱۰/کو جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم منصبِ نبوت پر سرفراز ہوئے تو چار ہستیاں ایسی تھیں، جنھوں نے کسی تردد کے بغیر آپ ﷺ کا دعویٰ نبوت سنتے ہی آپ کو اللہ کا سچا رسول تسلیم کر لیا۔ ایک حضرت خدیجہؓ، دوسرے حضرت زیدؓ، تیسرے حضرت علیؓ اور چوتھے حضرت ابوبکرؓ۔ اس وقت حضرت زیدؓ کی عمر تیس سال تھی اور ان کو حضور کی خدمت میں رہتے ہوئے پندرہ سال گزر چکے تھے۔

ہجرت مدینہ کے بعد ۴/ہجری میں نبی ﷺ نے حضرت زیدؓ کے لیے حضرت زینبؓ کے ساتھ نکاح کا پیغام دیا۔ حضرت زینبؓ حضور ﷺ کی پھوپھی اُمیمہ بنت عبدالمطلب کی صاحبزادی تھیں۔ حضرت زینبؓ اور ان کے رشتہ داروں نے اس رشتے کو نامنظور کر دیا۔ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ جب حضور ﷺ نے پیغام دیا تو حضرت زینبؓ نے کہا: اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ نَسَباً (میں اس سے نسب میں بہتر ہوں)۔

ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ حضرت زینبؓ نے جواب میں یہ بھی کہا تھا کہ: لاَ اَرْضَاہُ لِنَفْسِیْ وَاَنَا اَیِّمُ قُرَیْشٍ (میں اسے اپنے لیے پسند نہیں کرتی، میں قریش کی شریف زادی ہوں)۔

حضرت زیدؓ نبی ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے، ان لوگوں کو یہ بات سخت ناگوار تھی کہ اتنے اونچے گھرانے کی لڑکی اور وہ بھی کوئی غیر نہیں؛ بلکہ حضور ﷺ کی اپنی پھوپی زاد بہن اور اس کا پیغام آپ ﷺ اپنے

آزاد کردہ غلام کے لیے دے رہے ہیں۔

مگر اسلام غلام اور آزاد کو ایک صف میں کھڑا کرنا چاہتا تھا، اس پر قرآن مجید کی آیت نازل ہوئی کہ:

"کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کسی معاملے کا فیصلہ کردیں تو پھر اسے اپنے اس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔"(سورئہ احزاب:۳۶)

اللہ کے اس حکم کو سنتے ہی حضرت زینبؓ اور ان کے سب خاندان والوں نے بلا تامل سرِ اطاعت خم کردیا۔ اس کے بعد نبی ﷺ نے ان کا نکاح پڑھایا اور خود حضرت زیدؓ کی طرف سے دس دینار اور ساٹھ درہم مہر ادا کیا اور گھر بسانے کے لیے ان کو ضروری سامان عنایت فرمایا۔

حضرت زینبؓ نے اگرچہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم مان کر زیدؓ کے نکاح میں جانا قبول کرلیا تھا؛ لیکن وہ اپنے دل سے اس احساس کو کسی طرح نہ مٹا سکیں کہ زیدؓ ایک آزاد کردہ غلام ہیں، ان کے اپنے خاندان کے پروردہ ہیں۔ اس احساس کی وجہ سے زیدؓ سے ان کے ازدواجی تعلقات کبھی خوشگوار نہ ہوسکے۔ ایک سال سے کچھ ہی زیادہ مدت گزری تھی کہ نوبت طلاق تک پہنچ گئی۔

اسلامی قانون- قدم بہ قدم

اسلام کا طریقہ ہے کہ: وہ جلد بازی میں کوئی قانونی آرڈی نینس جاری نہیں کرتا؛ بلکہ پہلے ذہن وفکر کو آمادہ کرتا ہے اور زمین کی تیاری کے بعد ہی تخم ریزی کرتا ہے۔

پہلا کام خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر سے شروع ہوا کہ بچوں کو ان کے حقیقی باپوں کے نام سے پکارا جائے، خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ بولے فرزند کو زید بن محمد سے زید بن حارثہ کہا جانے لگا۔ قرآن مجید میں ہے: اُدْعُوْہُمْ لِاٰبَآئِہِمْ ہُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰہِ (سورئہ احزاب:۵)

منہ بولے بیٹوں کو ان کے باپ کی نسبت سے پکارو! یہ اللہ کے نزدیک زیادہ منصفانہ بات ہے۔

بخاری، مسلم اور ابوداؤد نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ اَدْعٰی اِلٰی غَیْرِ اَبِیْہِ وَہُوَ یَعْلَمُ اَنَّہٗ غَیْرُ اَبِیْہِ فَالْجَنَّۃُ عَلَیْہِ حَرَامٌ

"جس نے اپنے آپ کو باپ کے سوا کسی اور کا بیٹا کہا دراں حالیکہ وہ جانتا ہو کہ وہ شخص اس کا باپ نہیں

ہے اس پر جنت حرام ہے۔"اس مصنوعی نسبت کو بول چال میں بھی ختم کر دینے سے ذہن بدلنے لگے۔اس بات کی تشریح کر دی گئی کہ کسی کو پیار سے یا اخلاقاً بیٹا کہہ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے؛لیکن اس کو باقاعدہ بیٹا بنالینا اور مصنوعی رشتے کو حقیقی رشتے کی جگہ دینا غلط ہے۔بیٹوں یا بیٹیوں جیسا حسنِ سلوک کرنا اور قانونی طور پر اس کو حقیقی رشتے کی جگہ دینا اس میں فرق ہے۔

قرآن مجید میں ہے:وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَا اَخْطَاْتُمْ بِهٖ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ، وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (احزاب:۵)

"نادانستہ جو بات تم کہو اس کے لیے تم پر کوئی گرفت نہیں ہے؛لیکن اس بات پر ضرور گرفت ہے جس کا تم دل سے ارادہ کرو،اللہ درگزر کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔"اس طرح ہلکی سی ضرب اس رسم پر لگادی گئی اور ذہنوں کو تیار کر دیا گیا۔اب اس کو جڑ سے اکھاڑنے کی عملی ابتدا خود رسول اللہ ﷺ سے کرائی گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ رسمِ جاہلیت کا خاتمہ

اسی زمانے میں جب حضرت زیدؓ اور زینبؓ کے درمیان تلخی بڑھتی چلی جارہی تھی۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی ﷺ کو اشارہ ہو چکا تھا کہ زیدؓ جب اپنی بیوی کو طلاق دے دیں تو ان کی مطلقہ بیوی سے آپ کو نکاح کرنا ہوگا۔حضور ﷺ جانتے تھے کہ عرب کی سوسائٹی میں منہ بولے بیٹے کی مطلقہ سے نکاح کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔

ایک مشکل کام اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سماج کے نشانے پر

اسلام کے خلاف ہنگامہ اٹھانے کے لیے منافقین اور یہود ومشرکین کو جو پہلے ہی بپھرے بیٹھے ہیں ایک زبردست شوشہ ہاتھ آجائے گا۔اس نام پر جب حضرت زیدؓ نے بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ:اللہ سے ڈرو اور اپنی بیوی کو طلاق نہ دو۔آپ کا منشا یہ تھا کہ یہ شخص طلاق نہ دے تو مجھے نکاح کی نوبت نہیں آئے گی،ورنہ اس کے طلاق دینے کی صورت میں مجھے حکم کی تعمیل کرنی ہوگی اور مجھ پر وہ کیچڑ اچھالی جائے گی کہ پناہ بہ خدا؛مگر اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اولوالعزمی کے اعلیٰ مرتبے پر دیکھنا چاہتا تھا اور ایک بڑی مصلحت کی خاطر آپ سے یہ کام لینا چاہتا تھا۔قرآن مجید میں ہے:وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ، وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ(احزاب:۳۷)

"اے نبی! یاد کرو وہ مواقع جب تم اس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ تعالیٰ نے اور تم نے احسان کیا تھا کہ اپنی بیوی کو نہ چھوڑ و اور اللہ سے ڈرو۔ اس وقت تم اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جس کو اللہ کھولنا چاہتا تھا۔ تم لوگوں سے ڈر رہے تھے حالانکہ اللہ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو۔"

آخر نوبت طلاق تک آ گئی اور عدت پوری ہونے کے بعد نبی ﷺ نے اللہ کے حکم سے حضرت زینبؓ سے نکاح کیا، لوگ منہ بولے رشتوں کے معاملے میں محض جذباتی بنیادوں پر جس قسم کے نازک اور گہرے تصورات رکھتے تھے وہ اس وقت تک ہرگز نہ مٹ سکتے تھے جب تک آپ خود آگے بڑھ کر اس رسم کو نہ توڑ دیں۔

قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا (احزاب:۳۷)

"جب زید اس سے اپنی حاجت پوری کر چکے (یعنی عدت پوری ہوگئی) تو ہم نے اس (مطلقہ خاتون) کا نکاح تم سے کر دیا تا کہ مومنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے معاملہ میں کوئی تنگی نہ رہے جب کہ وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر چکے ہوں اور اللہ کا حکم تو عمل میں آنا ہی چاہیے تھا۔"

کہنے والوں کا ایک کہنا یہ تھا کہ: اچھا! زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ منہ بولے بیٹے کی مطلقہ سے نکاح جائز قرار دیا گیا ہے، یہ صرف جائز ہے، ضروری تو نہیں، پھر ایسا کرنا ضروری کیوں تھا؟ اس کا جواب قرآن مجید میں دیا گیا۔ "(لوگو!) محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النّبیین ہیں"۔ (احزاب:۴۰)

ایک تو یہ کہ ان کے کوئی بیٹا نہیں ہے اس لیے ان کی بہو کہاں ہوئی؟ دوسرے یہ کہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس حیثیت سے ان کی ذمہ داری ہے کہ جس حلال چیز کو تمہاری رسموں نے خوامخواہ حرام کر رکھا ہے اس کے بارے میں تمام تعصّبات کا خاتمہ کر دیں اور اس کے حلال ہونے کے بارے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہ رہنے دیں۔ تیسرے یہ کہ وہ خاتم النّبیین ہیں، ان کے بعد نہ کوئی رسول آنے والا ہے اور نہ کوئی نبی کہ اگر قانون اور معاشرے کی کوئی اصلاح ان کے زمانے میں نافذ ہونے سے رہ جائے تو بعد کا آنے والا نبی یہ کسر پوری کر دے۔ اس طرح جاہلیت کے اس بت کو ایک کاری ضرب سے توڑ کر رکھ دیا گیا۔

قرآن وحدیث اور اسوۂ رسول ﷺ سے معلوم ہوا کہ اسلام میں متبنّیٰ بنانا اور گود لینا اور دوسرے کے بچے کو گود لے کر اس کے ساتھ حقیقی اولاد کا معاملہ کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اور قیامت تک یہ رسم ختم ہو چکی ہے۔

گود لینا اکثر بے اولاد والدین کی اپنی خواہش ہوتی ہے یا پھر وہ لوگ گود لیتے ہیں، جن کے کوئی نرینہ اولاد نہیں ہوتی، اولاد ہونا نہ ہونا یا لڑکے کا نہ ہونا یہ سب اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہیں۔ دنیا میں انسان کی ساری خواہشیں نہ پوری ہوسکتی ہیں، نہ ہوسکیں گی۔ اسلام دینِ فطرت ہے اور گود لینا بہت سے اخلاقی، معاشرتی اور نفسیاتی مسائل پیدا کرتا ہے اس لیے اسلام نے اس رسم کا دروازہ پورے طور پر بند کر دیا ہے۔

• • •

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا عجیب واقعہ

امام احمد بن حنبلؒ اپنے وقت کے عظیم محدث اور عالم تھے، ان کی دینِ اسلام پر استقامت بے مثل تھی، وقت کی تمام طاقتیں انہیں ان کے دینی موقف سے پیچھے نہ ہٹا سکیں، ان کا صبر بعد میں آنے والوں کے لیے ایک مثال بنا۔ ان کے بارے میں سورۂ ق کی مذکورہ آیت کے تحت مفسرین نے ایک عجیب واقعہ نقل کیا ہے کہ: امام احمد بن حنبلؒ اپنی حیاتِ مبارکہ کے آخری ایام میں علیل تھے، بیمار تھے، اور عام طور پر بیماری میں انسان کراہتا ہے، کراہنے کی آواز منہ سے نکلتی ہے، جسے ہم آہ آہ کرنا کہتے ہیں، تو امام احمد بن حنبلؒ کراہ رہے تھے، حضرت طاؤسؒ بزرگ بھی ہیں اور محدث بھی ہیں، وہ اُن کے قریب تشریف فرما تھے، انہوں نے امام احمد بن حنبلؒ سے کہا کہ: ''یکتب الملک کل شیء حتی الأنین'' یعنی فرشتے انسان کی زبان سے نکلا ہوا ہر کلام ہر لفظ لکھ لیتے ہیں، محفوظ کر لیتے ہیں، حتیٰ کہ مریض کا کراہنا بھی لکھ لیا جاتا ہے، امام احمد بن حنبلؒ نے جب یہ بات سنی تو: ''فلم یئن أحمد حتی مات رحمہ اللہ'' یعنی ''امام احمدؒ نے کراہنا بھی ختم کر دیا، یہاں تک کہ دنیا سے تشریف لے گئے۔''

اس سے اندازہ لگائیں کہ یہ حضرات اپنی زبان کے معاملے میں کتنی احتیاط کرتے تھے، مباح باتیں بھی بلاضرورت اپنی زبان سے نہیں نکالتے تھے۔ امام احمدؒ نے بیماری اور مرض کی وجہ سے کراہنا بھی ختم کر دیا کہ کہیں اس پر قیامت میں پوچھ گچھ نہ ہو۔

مولانا محمد نعمان

مصافحہ ایک ہاتھ سے یا دو ہاتھ سے؟

مصافحہ دو ہاتھ سے کرنا مسنون عمل ہے، آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے دو ہاتھ سے مصافحہ کیا۔ نیز عقلاً بھی اپنے مسلمان بھائی سے دو ہاتھ سے مصافحہ کرنے میں جس قدر تواضع، انکساری، الفت ومحبت، اور بشاشت کی جو کیفیت پائی جاتی ہے وہ ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے میں نہیں ہے۔ امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاریؒ نے ''صحیح بخاری'' میں دو باب قائم کیے:

۱۔ باب المصافحۃ

۲۔باب الأخذ بالیدین المصافحۃ

اس باب میں امام بخاریؒ نے یہ بتلایا کہ مصافحہ کرنا سنت عمل ہے، اس کے لیے آپ نے چار دلیلیں نقل کیں:

1: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ: آپ ﷺ نے مجھے تشہد سکھایا اس حالت میں کہ میرا ہاتھ آپ ﷺ کے دو ہاتھوں کے درمیان تھا(۱) ۲۔حضرت کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میں مسجدِ نبوی میں آیا تو رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ کھڑے ہوئے اور انہوں نے مجھ سے مصافحہ کیا اور مجھے مبارک باد دی: ۳: حضرت قتادہؒ نے حضرت انسؓ سے پوچھا کہ کیا نبی کریم ﷺ کے صحابہؓ میں مصافحہ کا رواج تھا؟ تو حضرت انسؓ نے فرمایا: جی ہاں! ضرور تھا: ''عَنْ قَتَادَةَؒ قَالَ:قُلْتُ لِأَنَسٍؓ: أَكَانَتِ الْمُصَافَحَةُ فِيْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: نَعَمْ۔''(۳) ۴: عبداللہ بن ہشامؓ فرماتے ہیں کہ ہم نبی اکرم ﷺ

کے ساتھ تھے اور آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا: ''كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهوَ أَخِذٌ بِيَدِ عُمَرَ بْنِ الخَطَّابِ۔'' (۴) ان چاروں دلیلوں سے امام بخاریؒ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ مصافحہ کرنا مسنون عمل ہے۔ نیز امام بخاریؒ نے اپنی کتاب ''الأدب المفرد'' میں بھی باب قائم کیا ہے: ''باب المصافحۃ'' اور اس کے تحت دو احادیث نقل کی ہیں۔ علامہ ابن بطالؒ فرماتے ہیں کہ اکثر علماء کے نزدیک مصافحہ کرنا بہترین عمل ہے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا سنت ہے، اور اس پر (اہلِ علم) کا اجماع ہے: وَقَالَ النَّوَوِيُّ: الْمُصَافَحَةُ سُنَّةٌ مُجْمَعٌ عَلَيْهَا عِنْدَ التَّلَاقِيْ۔'' (۵)

امام بخاریؒ نے اس کے بعد دوسرا باب قائم کیا ہے: ''باب الأخذ بالیدین'' اس باب میں امام بخاریؒ نے مصافحہ کا طریقہ بتلایا کہ مصافحہ دو ہاتھوں کے ساتھ ہونا چاہیے، اس کے لیے امام بخاریؒ نے بطورِ دلیل دو کبار محدثین کا عمل پیش کیا کہ وہ دو ہاتھ سے مصافحہ کرتے تھے: ''وَصَافَحَ حَمَّادُبْنُ زَيْدٍابْنَ الْمُبَارَكِ بِيَدَيْهِ۔'' ''حماد بن زیدؒ نے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے دو ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔'' امام بخاریؒ نے اس بات کو کہ امام حماد بن زیدؒ نے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے دو ہاتھوں سے مصافحہ کیا، اپنی معروف کتاب ''التاریخ الکبیر'' میں اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ کے ترجمہ میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے: ''إِسْمَاعِيل بن إِبْرَاهِيم بن الْمُغِيرة الْجُعفى، أَبوالْحَسَن رأى حماد بْن زيد صافح ابْن المبارك بكلتا يديه۔'' (۶) نیز اس بات کو فن رجال اور حدیث کے دو مشہور ائمہ علامہ شمس الدین ذہبیؒ (متوفی ۷۴۸ھ) اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (متوفی ۸۵۲ھ) نے بغیر کسی نکیر کے نقل کیا ہے: دیکھئے تفصیلاً: سیر أعلام النبلاءؒ، ترجمۃ: أبوعبداللہ البخاری محمد بن اسماعیل، ج:۱۲، ص: ۳۹۱۔ تہذیب التہذیب: حرف الألف، ترجمۃ: اسماعیل بن ابراہیم بن المغیرۃ، ج:۱ ص: ۲۷۴۔ دو ہاتھ سے مصافحہ کرنے والے امام حماد بن زیدؒ کا مقام محدثین کی نظر میں کس قدر کا ہے، اس کا اندازہ امام ذہبیؒ کے القابات اور محدثین کے ان کے متعلق اقوال سے لگائیں، چنانچہ امام ذہبیؒ ان کے ترجمے کا آغاز ان القابات کے ساتھ کرتے ہیں: ''العَلاَّمَةُ، الحَافِظُ، الثَّبْتُ، مُحَدِّثُ الْوَقْتِ، أَحَدُ الْأَعْلَامِ۔''

امام عبدالرحمن بن مہدیؒ فرماتے ہیں کہ: لوگوں کے امام اپنے اپنے زمانے میں چار حضرات تھے، کوفہ کے امام سفیان ثوریؒ، حجاز کے امام مالکؒ، شام کے امام اوزاعیؒ، بصرہ کے امام حماد بن زید: ''قَالَ عَبْدُالرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ: أَئِمَّةُالنَّاسِ فِيْ زَمَانِهِمْ أَرْبَعَةٌ : سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ بِالْكُوْفَةِ ، وَمَالِكٌ بِالْحِجَازِ، وَالْأَوْزَاعِيُّ بِالشَّامِ ، وَحَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ بِالْبَصْرَةِ ۔'' امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ امام حماد بن زیدؒ مسلمانوں کے ائمہ میں سے ہیں: امام احمد بن

عبداللہ عجلیؒ فرماتے ہیں کہ: امام حماد بن زیدؒ ثقہ ہیں اور انہیں چار ہزار احادیث حفظ تھیں، اور ان کے پاس کوئی کتاب نہیں تھی، (یعنی ایسے حافظ الحدیث تھے کہ بغیر کتاب کے احادیث کا اپنے حافظے سے زبانی املاء کرواتے تھے): ''وَقَالَ أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِاللهِ الْعِجْلِيُّ : حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ ثِقَةٌ ، وَحَدِيْثُهُ أَرْبَعَةُ آلاَفِ حَدِيْثٍ، كَانَ يَحْفَظُهَا، وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كِتَابٌ۔'' ان کے متعلق مزید کبار محدثین کے توصیفی وتوثیقی اقوال کے لیے تفصیلاً دیکھیں: سیر اعلام النبلاء، ترجمۃ حماد بن زید بن درھم، ج: ۷، ص: ۶۵۴-۷۵۴۔ امام بخاریؒ نے اس اثر کے بعد یہ حدیث نقل کی کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ مجھے نبی کریم ﷺ نے تشہد اس حالت میں سکھایا کہ میرا ہاتھ آپ ﷺ کے دو ہاتھوں کے درمیان تھا: ''عَلَّمَنِيْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَفِّي بَيْنَ كَفَّيْهِ التَّشَهُّدَ۔'' امام بخاریؒ ''باب الأخذ باليدين'' کے تحت اس حدیث کو نقل کرکے یہ بتلانا چاہ رہے ہیں کہ مصافحہ دو ہاتھوں سے ہوگا، جیسے آپ ﷺ نے حضرت ابن مسعودؓ سے دو ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔ اس حدیث میں قابلِ غور جملہ ''كفي بين كفيه'' میرا ہاتھ آپ ﷺ کے دو ہاتھوں کے درمیان تھا، معلوم ہوا کہ سنتِ نبویہ دو ہاتھوں سے مُصافحہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے ایک ہاتھ کا ذکر اس وجہ سے کیا کہ یہ ہاتھ اس قدر خوش قسمت ہے کہ حضور ﷺ کے دو ہاتھوں کے درمیان تھا۔ بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ نبی دو ہاتھوں سے مصافحہ کرے اور صحابی ایک ہاتھ سے؟ یہاں حضرت ابن مسعودؓ اپنی خصوصیت اور قابلِ فخر اعزاز کو بیان کررہے ہیں، یہ مطلب نہیں ہے کہ انہوں نے دوسرے ہاتھ سے مصافحہ نہیں کیا۔ امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث نبی کریم ﷺ کی جانب سے دو ہاتھ سے مصافحہ کرنے کے بارے میں صریح ہے، باقی رہی بات حضرت ابن مسعودؓ کی کہ انہوں نے ایک ہاتھ سے مصافحہ کیا، تو یہاں راوی نے ایک ہاتھ کے ذکر پر اکتفاء کیا، ورنہ حضرت ابن مسعودؓ کے بارے میں یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ ایک ہاتھ سے مصافحہ کریں، جب کہ آپ ﷺ اپنے دو بابرکت ہاتھوں کے ساتھ انہیں مصافحہ کریں، حضرت ابن مسعودؓ کے متعلق یہ بات بہت ہی مُستبعد ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہاں راوی نے ایک ہاتھ کے ذکر پر اکتفاء کیا۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ راویوں کا تعبیرات میں بڑا اختلاف ہوتا ہے، پس وہ مختلف اعتبارات سے تعبیرات پیش کرتے ہیں، بعض ایسے ہیں جو مجمل کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں، اور بعض ایسے ہیں جو مفصل شئے کو اجمال کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ (۷) امام بخاریؒ نے ''الأدب المفرد'' میں روایت نقل کی ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن رزینؒ فرماتے ہیں کہ ہم ربذہ نامی مقام کے پاس سے گزرے، ہمیں یہ بتلایا گیا کہ

یہاں صحابی رسول حضرت سلمہ بن اکوعؓ ہیں، میں ان کی خدمت میں گیا اور انہیں سلام کیا، تو انہوں نے (سلام کا جواب دیا اور) دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا، اور فرمایا: میں نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت (بھی اس طرح) دونوں ہاتھوں سے کی تھی: ''عن عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ رَزِيْنٍ قَالَ : مَرَرْنَابِالرَّبَذَةِ فَقِيْلَ لَنَا : بِاَبْنَا سَلَمَةُ بْنُ الْاَكْوَعِ فَأَتَيْتُهٗ فَسَلَّمْنَا عَلَيْهِ فَأَخْرَجَ يَدَيْهِ فَقَالَ : بَايَعْتُ بِهَاتَيْنِ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-''(۸) اس حدیث میں ہے کہ صحابی رسول حضرت سلمہ بن اکوعؓ نے دونوں ہاتھوں کے ساتھ مصافحہ کیا، پھر فرمایا: میں نے انہی دونوں ہاتھوں کے ساتھ آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ خلاصہ یہ ہوا کہ آپ ﷺ نے دو ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔ اسی طرح صحابی رسول حضرت سلمہ بن اکوعؓ نے بھی دو ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔ کبار محدث امام حماد بن زیدؒ نے بھی دو ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔ امام بخاریؒ کے نزدیک بھی اولیٰ اور بہتر یہی ہے کہ دو ہاتھوں سے مصافحہ ہو، اس لیے آپ نے اس پر مستقل باب بھی قائم کیا اور اس سے متعلق روایات وآثار اپنی تینوں کتابوں: صحیح البخاری، الأدب المفرد، التاریخ الکبیر میں نقل کیے، جیسا کہ ماقبل میں کئی حوالہ جات گزر چکے ہیں۔ حضرت ابواُمامہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''عَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : إِذَا تَصَافَحَ الْمُسْلِمَانِ لَمْ تَفْرُقْ أَكُفُّهُمَا حَتّٰى يُغْفَرَ لَهُمَا-''(۹) ''جب دو مسلمان مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے ہاتھوں کے جدا ہونے سے پہلے ان کے گناہوں کی مغفرت کردی جاتی ہے۔'' فائدہ: اس حدیث کے متعلق علامہ ناصر الدین البانیؒ اپنی کتاب (صحیح الجامع الصغیر وزیادتہ، ج:۱،ص:۳۱۷، رقم الحدیث: ۳۳۴) میں فرماتے ہیں کہ یہ روایت صحیح ہے۔ اس حدیث میں لفظ ''أَكُفُّهُمَا'' جمع استعمال ہوا ہے، لفظ '' أَكُفُّ '' --- '' كف'' کی جمع ہے۔ حدیث کا مفہوم یہ ہے ہاتھوں کے جدا ہونے سے پہلے ان کی مغفرت کردی جاتی ہے، تو یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ مصافحہ دو ہاتھ سے ہونا چاہیے، اس لیے کہ اگر ایک ہاتھ سے مصافحہ ہوتا تو حدیث میں جمع کا لفظ استعمال نہ ہوتا، بلکہ تثنیہ کا ہوتا کہ ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ سے ملایا جائے، اس کے لیے ''كَفَّاهُمَا'' صیغہ تثنیہ ہونا چاہیے تھا، نہ کہ جمع۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ نَبِيِّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:مَامِنْ مُسْلِمَيْنِ الْتَقَيَا، فَأَخَذَ أَحَدُهُمَا بِيَدِ صَاحِبِهٖ ، إِلَّاكَانَ حَقًّاعَلَى اللهِ أَنْ يَّحْضُرَ دُعَائَ هُمَا، وَلَايُفَرِّقَ بَيْنَ أَيْدِيْهِمَا حَتّٰى يَغْفِرَلَهُمَا-''(۱۰) ''جب دو مسلمان آپس میں ملتے ہیں اور ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہوجاتا ہے کہ ان کی دُعاؤں کو سُنے اور ان دونوں کے ہاتھوں کے جدا ہونے سے پہلے (اللہ تعالیٰ ان کی) مغفرت فرمادیتے

ہیں۔ اس حدیث میں یہ جملہ ''لَایُفَرِّقَ بَیْنَ أَیْدِیْہِمَا'' ان دونوں کے ہاتھوں کے جدا ہونے سے پہلے ان کی مغفرت کردی جاتی ہے، اس حدیث میں ''أَیْدِیْہِمَا'' جمع استعمال ہوا ہے، اگر مصافحہ صرف ایک ہاتھ سے ہوتا تو یہاں تثنیہ ''یَدَیْہِمَا'' استعمال ہوتا ہے، حالانکہ یہاں جمع ذکر ہوا ہے۔ اسی طرح حضرت انسؓ سے روایت ''مسند أبی یعلی'' میں ان الفاظ کے ساتھ ہے: ''عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِکٍ، عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ:مَامِنْ مُسْلِمَیْنِ الْتَقَیَا فَأَخَذَ أَحَدُہُمَا بِیَدِ صَاحِبِہٖ إِلَّاکَانَ حَقًّا عَلَی اللّٰہِ أَنْ یُّجِیْبَ دُعَائَ ہُمَا وَلَایَرُدَّ أَیْدِیَہُمَا حَتّٰی یَغْفِرَلَہُمَا۔'' (۱۱) اس حدیث میں بھی ''أَیْدِیَہُمَا'' جمع استعمال ہوا ہے۔ قاضی عیاض مالکیؒ (متوفی ۴۴۵ھ) فرماتے ہیں کہ سلام اور ملاقات کے وقت مصافحہ دونوں ہاتھوں کے ساتھ ہوگا: ''اَلْمُصَافَحَۃُ بِالْأَیْدِیْ عِنْدَ السَّلَامِ وَاللِّقَائِ ۔'' (۱۲) نیز ائمہ فقہ کی تصریحات بھی اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مصافحہ دو ہاتھوں کے ساتھ سنت ہے، چنانچہ علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں: ''اَلسُّنَّۃُ فِی الْمُصَافَحَۃِ بِکِلْتَا یَدَیْہِ۔'' مصافحہ میں سنت یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کے ساتھ ہو۔ علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ملاقات کے وقت سلام کے بعد بغیر کسی حائل کے چاہے وہ کپڑا ہو یا اس کے علاوہ ہو، دونوں ہاتھوں کے ساتھ مصافحہ کرنا سنت ہے: ''وَالسُّنَّۃُ أَنْ تَکُوْنَ بِکِلْتَا یَدَیْہِ ، وَبِغَیْرِحَائِلٍ مِنْ ثَوْبٍ أَوْ غَیْرِہٖ وَعِنْدَ اللِّقَائِ بَعْدَ السَّلَامِ۔'' (۱۳) نیز'' مجمع الأنھر فی شرح ملتقی الأبحر'' میں بھی دو ہاتھوں کی صراحت ہے: ''وَالسُّنَّۃُ فِیْ الْمُصَافَحَۃِ بِکِلْتَا یَدَیْہِ۔'' (۱۴) فائدہ: ہر زبان میں واحد کا صیغہ دو طرح سے استعمال ہوتا ہے: ۱:۔۔۔ بطورِ مفرد یعنی اس سے ایک ہی مراد ہو۔ ۲:۔۔۔ بطورِ جنس اس وقت صیغہ واحد کا ہوتا ہے، لیکن اس سے متعدد افراد مراد ہوتے ہیں۔ قرآنِ کریم میں ہے: ''وَلَاتَجْعَلْ یَدَکَ مَغْلُوْلَۃً إِلٰی عُنُقِکَ''۔ (۱۵) اس آیت میں لفظ ''ید'' اسمِ جنس استعمال ہوا ہے۔ اس طرح احادیثِ مبارکہ میں بھی کئی ایک اس کی مثالیں موجود ہیں، مثلاً آپ ﷺ نے فرمایا: ''اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِہٖ وَیَدِہٖ ۔'' (۱۶) ''مسلمان وہ ہے جس کے زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔'' اس طرح آپ ﷺ نے فرمایا: ''مَنْ رَأٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ۔'' (۱۷) ''جو تم میں سے برائی کو دیکھے پس وہ اس کو اپنے ہاتھ سے مٹائے۔'' ان دونوں احادیث میں لفظ ''ید'' مفرد استعمال ہوا ہے، لیکن یہاں یہ قطعاً مراد نہیں ہے کہ مسلمان کے ایک ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں، اور دوسرے ہاتھ سے نہ ہوں۔ اسی طرح کسی برائی کو دیکھو تو اُس کا سدِّ باب صرف ایک ہاتھ سے کرو دوسرے ہاتھ سے نہ کرو۔ ان احادیث سے صرف ایک ہاتھ کا معنی امت میں کسی نے مراد نہیں لیا، بلکہ محدثین یہی فرماتے ہیں کہ

یہاں لفظِ ''ید'' اسم جنس ہے، تو اسی طرح وہ احادیث جو مصافحہ سے متعلق ہیں اور وہاں لفظِ ''ید'' استعمال ہوا ہے تو وہ بھی اسمِ جنس کے لیے ہے۔ اسی طرح ماقبل میں حدیث گزری ہے کہ مصافحہ کرنے سے گناہ جھڑتے ہیں، تو کیا صرف ایک ہاتھ سے گناہ جھڑتے ہیں؟ دوسرے ہاتھ کے گناہ نہیں جھڑتے؟ ''اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْرًا وَّ فِیْ بَصَرِیْ نُوْرًا وَّفِیْ سَمْعِیْ نُوْرًا۔'' (۱۸) ''اے اللہ! میرے دل میں نور پیدا فرما اور میری آنکھوں میں نور پیدا فرما اور میرے کانوں میں نور پیدا فرما۔'' اس حدیث میں صیغے مفرد کے ہیں، لیکن یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اے اللہ! میری صرف ایک آنکھ اور ایک کان میں نور پیدا فرما اور دوسرے کان اور آنکھ میں نہ فرما، بلکہ یہ اسمِ جنس کے معنی میں ہے۔ اگر بالفرض ''ید'' سے اسمِ جنس والا معنی مراد نہ لیں، بلکہ ایک ہاتھ مراد لیں، تو لغتِ عرب میں ''ید'' کا اطلاق انگلیوں سے لے کر کندھوں تک ہوتا ہے، تو کیا اگر دو آدمی بوقت سلام دونوں بائیں کہنیاں یا دونوں بائیں کندھے یا دائیں ہاتھ کی کہنیاں یا کندھے ملائیں تو کیا مصافحہ والی احادیث پر عمل ہوجائے گا یا نہیں؟ کیوں کہ بایاں ہاتھ بھی تو ''ید'' ہی ہے، پاؤں تو نہیں۔ نیز اگر ''ید'' سے ایک ہاتھ بھی مراد ہو تو دو ہاتھ سے مصافحہ کی صورت میں تمام روایات پر عمل ہوجائے گا، جس طرح تین دفعہ اعضاء کو دھونے سے ایک، دو اور تین مرتبہ دھونے والی تمام احادیث پر عمل ہوجائے گا۔ باقی رہی یہ بات کہ لغت کی کتابوں میں مصافحہ کی تعریف ''إلصاق صفحۃ الکف بالکف'' ۔۔۔۔۔ ''ایک ہتھیلی کو دوسری ہتھیلی کے ساتھ ملانا'' سے کی گئی ہے۔ لغت کی ان تعریفات سے بھی ایک ہاتھ سے مصافحہ ثابت نہیں ہوتا، اس لیے کہ یہ تعریف تو بائیں ہاتھ پر بھی صادق آرہی ہے، لہٰذا اگر دو آدمی بائیں ہتھیلیوں کے ساتھ مصافحہ کریں تو لغۃً یہ تعریف ان پر بھی صادق آرہی ہے کہ ہتھیلی کو ہتھیلی کے ساتھ ملا رہے ہیں، حالانکہ امت میں کوئی بھی اس مصافحہ کا قائل نہیں ہے۔ نیز اگر کوئی لفظ معنی شرعی اور لغوی کے درمیان دائر ہوجائے تو اس وقت معنی شرعی کا لحاظ رکھا جائے گا، نہ کہ معنی لغوی کا، جیسے صلوٰۃ کا معنی لغوی دُعا ہے، صوم کا معنی رکنا ہے، حج کا معنی قصد وارادہ کرنا ہے تو اب ان الفاظِ شرع سے ان کے معانی شرعیہ مراد ہوں گے نہ کہ معانی لغویہ، اگر لغوی معنی کا ہر جگہ لحاظ رکھا جائے اور وہی مراد لیا جائے تو شریعت کا نقشہ بدل جائے گا۔ ''یَدُوْرُ اللَّفْظُ بَیْنَ مَعْنَیَیْنِ ہُوَ فِیْ أَحَدِہِمَا حَقِیقَۃٌ لُغَوِیَّۃٌ وَفِی الْأُخَرِ حَقِیقَۃٌ شَرْعِیَّۃٌ فَالشَّرْعِیَّۃُ أَوْلٰی۔'' (۱۹) ''أَلْفَاظُ الشَّارِعِ مَحْمُوْلَۃٌ عَلٰی عُرْفِہٖ لِأَنَّہُ الْمُحْتَاجُ إِلَیْہِ فِیْہِ لِکَوْنِہٖ بُعِثَ لِبَیَانِ الشَّرْعِیَّاتِ لَالِبَیَانِ مَوْضُوْعَاتِ اللُّغَۃِ۔'' (۲۰) بہرحال اب تک کوئی ایسی صحیح اور صریح روایت بندے کے سامنے نہیں آئی جس میں آپ ﷺ نے صرف دائیں ہاتھ سے مصافحہ کا حکم

دیا ہو، یا آپ ﷺ نے خود عملاً دائیں ہاتھ سے مصافحہ کیا اور بائیں ہاتھ کو دور رکھا ہو ہاتھ نہ لگایا ہو، نہ ہی آپ ﷺ کے سامنے کسی نے اس طرح کیا ہے، نہ ہی ''ید'' کے ساتھ ''واحدۃ'' کی قید کسی حدیث میں ہے، لہٰذا بندے کے نزدیک احادیث وآثار اور عقل کی روشنی میں دو ہاتھ سے مصافحہ کرنا مسنون اور بہتر عمل ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

حوالہ جات

۱:.....صحیح بخاری: کتاب الاستئذان، باب المصافحۃ، ج:۸،ص:۹۵
۲:.....ایضاً ۳:ایضاً ۴:ایضاً ۵:فتح الباری: کتاب الاستئذان، باب المصافحۃ، ج:۱۱،ص:۵۵
۶:.....التاریخ الکبیر: ج:۱،ص:۲۴۳، رقم:۸۰۱
۷:.....فیض الباری: کتاب الاستئذان، باب المصافحۃ، ج:۶،ص:۴۰۲۔
۸:.....الأدب المفرد: باب تقبیل الید،ص:۲۴۵
۹:.....المعجم الکبیر للطبرانی: باب الصاد، ج:۸، رقم الحدیث:۶۷۰۸۔
۱۰:.....مسند احمد: مسند أنس بن مالک، رقم الحدیث:۱۵۴۲۱۔
۱۱:.....مسند أبی یعلی: مسند أنس بن مالک، ج:۷،ص:۵۶۱، رقم الحدیث:۹۳۱۴۔
۱۲:.....مشارق الأنوار علی صحاح الآثار: حرف الصاد، مادۃ: (ص ف ح) ج:۲،ص:۹۴
۱۳:.....ردالمحتار: کتاب الحظر والاباحۃ، باب الاستبرائ، ج:۶،ص:۲۸۳۔
۱۴:.....مجمع الانھر: کتاب الکراھیۃ، باب احکام النظر، ج:۲،ص:۱۴۵
۱۵:.....الاسرائ:۹۲۔۱۶: صحیح بخاری: کتاب الایمان،، ج:۱،ص:۱۱
۱۷:.....صحیح مسلم: کتاب الایمان، ج:۱،ص:۹۶، رقم الحدیث:۹۴۔
۱۸:.....صحیح بخاری: کتاب الدعوات، ج:۸،ص:۹۶، رقم الحدیث:۶۱۳۶
۱۹:.....البرھان فی علوم القرآن: النوع الحادی والاربعون، ج:۲،ص:۶۱۷
۲۰:.....فتح الباری: کتاب الاذان، ج:۲،ص:۳۲۷

● ● ●

ضبط وترتیب: طلبہ جامعہ دارالتقویٰ

حضرت مولانا قاضی عبدالرشید صاحب مدظلہ کا جامعہ دارالتقویٰ کے خماسی نتائج کی تقریب سے خطاب

بعد از خطبہ مسنونہ۔۔۔۔۔

قابل صد اکرام وتکریم علماء کرام حضرات محدثین، معاونین، عزیز طلبہ، سرپرست محترم ومکرم حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن دامت برکاتہم، مسؤل وفاق المدارس ضلع لاہور، فاضل نوجوان مفتی خرم صاحب

میں شکر گزار ہوں میزبان محترم، اس گلشن کے بہاروں کے نگہبان، دینی جذبوں اور خدمات کے امین استاذ العلماء حضرت مولانا اویس صاحب دامت برکاتہم اور اراکین واساتذ کرام کا کہ آج کے اس پروگرام میں مجھے حاضری کا موقع عنایت فرمایا۔

اگرچہ ایک عرصہ سے جامعہ دارالتقویٰ کی خوشبوئیں آرہی تھیں اور اس کی کرنوں کی مہک محسوس ہورہی تھی۔ اور ہماری حاضری کی چاہت بھی تھی لیکن آج اللہ کو منظور تھا، اگرچہ میں وفاق المدارس کے پروگراموں کے سلسلوں میں مسلسل سفروں میں ہوں آج بھی مجھے ایک جگہ جانا تھا لیکن میں نے تین بزرگوں سے درخواست کرکے انہیں اپنی جگہ وہاں بھیجا ہے اور خود یہاں حاضر ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ ہمارا یہاں مل بیٹھنا قبول فرمائے۔ آمین

اس وقت جو ادارہ کی کارگزاری سامنے آئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بنین وبنات میں تجوید میں تحفیظ تخصص میں سکول میں اعلیٰ اور عمدہ معیار پر کام ہورہا ہے۔ ان سب کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں چند

باتیں عرض کروں گا۔

میرے بزرگو! بھائیو! میری پردہ نشین بہنو! اس بات پر شکر ادا کریں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دین اسلام جیسی نعمت نصیحت فرمائی، الحمدللہ کہیں! آج صدیاں بیت جانے کے باوجود ہمارے پاس قرآن پاک بھی محفوظ، امام الانبیاء علیہ السلام کے ارشادات بھی محفوظ، آپ کی ادائیں بھی محفوظ، آج ہمیں یہ بات معلوم ہے کہ قرآن پاک کی سب سے پہلے نازل ہونے والی آیتیں سورۃ العلق کی پہلی پانچ آیات ہیں، اقراء بسم، یہ پانچ آیتیں غارِحراء کی خلوتوں سے پہلے نازل ہوئیں۔ اور یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ جس دن یہ آیتیں نازل ہوئیں اسی دن غارِحراہ میں مدرسہ بھی قائم ہوگیا۔ یہ مدرسہ کوئی آج کی چیز نہیں، سو دو سو سال پرانی چیز ہیں، یہ مدرسہ اتنا ہی پرانا ہے جتنا یہ قرآن پرانا ہے۔

غارِحراء سے یہ مدرسہ منتقل ہوا دارارقم میں وہاں سے منتقل ہوا مدینہ منورہ میں، صفہ کے چبوترے میں، جہاں سرکار الانبیاء پڑھانے والے، اور ابوبکر، عمر، عثمان وعلیؓ طلحہ وزبیرؓ، ابی کعب، خالد بن ولید جیسے پڑھنے والے اس کائنات میں حضور جیسا استاد کوئی نہیں آیا۔ صحابہ جیسا شاگرد کوئی نہیں آیا۔ اس لیے کہ آپ جتنے مرضی بڑے قاری سے قرآن کیوں نہ پڑھ لیں لیکن قرآن اس پر نازل نہیں ہوا جبکہ صحابہؓ نے ان سے قرآن پڑھا ہے کہ جن پر قرآن نازل ہوا ہے۔ آپ جتنے مرضی بڑے شیخ الحدیث سے حدیث ک یوں نہ پڑھ لیں ان کی باتیں حدیث نہیں ہوسکتیں جبکہ صحابہ نے ان سے حدیث پڑھی کہ جن کے ارشادات حدیث ہیں۔

ہمیں یہ معلوم کہ قرآن کی سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت کونسی ہے، وہ سورۃ فاتحہ۔ ہمیں یہ معلوم کہ قرآن کی سب سے عظمت وشرافت والی آیت کونسی ہے۔ آیت الکرسی ہے۔ سب سے بڑی آیت قرض کے لین دین والی اور سب سے چھوٹی آیت غیر أولی الضرر ہے۔ صدیاں بیت جانے کے باوجود بھی ہمیں معلوم ہے کہ قرآن مجید کی سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت الیوم اکملت لکم دینکم۔ اس آیت کے بعد کوئی حکم نازل نہیں ہوا۔

مطلق سب سے آخری آیت وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ نازل ہوئی۔

ہمیں یہ معلوم ہے کہ کون سی مکہ میں نازل ہوئیں اور کون سی مدینہ میں نازل ہوئیں۔ ہمیں کون سی بدر وحنین میں نازل ہوئیں، یہ بھی معلوم کہ کون سی آیتیں رات کے وقت اور کون سی دن کے وقت، کون سی

سردی میں کون سی گرمی میں نازل ہوئیں۔عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ تم مجھ سے پورے قرآن کی کسی آیت کے متعلق پوچھ لو میں تمہیں بتاؤں گا کہ یہ کس جگہ اور کس وقت نازل ہوئی۔

آپ ﷺ نے ابوذر غفاریؓ کو ڈانٹ کا پیارا جملہ ارشاد فرمایا۔''ابوذر اپنی ناک مٹی میں کیوں نہ رگڑے''ابوذر کی دیانت پر قربان جاؤں۔آقا کا ارشاد بھی پہنچایا یہ ڈانٹ والا جملہ بھی امت تک پہنچایا۔

حضرت معاذ بن جبلؓ سے آپ ﷺ نے فرمایا: واللہ انی لا جک یا معاذ۔ معاذ! اللہ کی قسم مجھے تم سے محبت ہے۔ہر نماز کے بعد یہ کلمات کہنا نہ بھولنا۔اللھم اعنی علی ذکرک وشکرک وحسن عبادک

''اے اللہ اپنے ذکر پر اپنے شکر پر اپنی بہترین عبادت پر میری مدد فرما۔لیکن اس سے پہلے آپ ﷺ نے فرمایا''معاذ اللہ کی قسم مجھے تم سے محبت ہے''۔۔۔اب حضرت معاذؓ نے جب اپنے شاگردوں کو آگے حدیث بتائی تو پہلے فرمایا: اللہ کی قسم مجھے آپ سے محبت ہے ہر نماز کے بعد یہ کلمات کہنا نہ بھولو۔انہوں نے جب اپنے شاگردوں کو حدیث سنائی۔ پہلے یہی جملہ ارشاد فرمایا۔چودہ سو سال سے جہاں آپ ﷺ کا یہ ارشاد چلا آیا ہے۔وہیں آپ ﷺ کی محبت کا یہ جملہ بھی چلا آرہا ہے۔5 سال پہلے مدینہ منورہ میں ایک بزرگ جن کی حدیث کی سند عالی تھی۔علماء کو کچھ پڑھاتے تھے۔ہم نے بھی ان سے کچھ حدیثیں پڑھیں۔انہوں نے یہ حدیث پڑھاتے ہوئے فرمایا: اللہ کی قسم! مجھے محبت ہے ہر نماز کے بعد یہ کلمات کہنا نہ بھولو۔اور میں آپ سے بھی یہی کہتا ہوں اللہ کی قسم مجھے آپ سے محبت ہے ہر نماز کے بعد یہ کلمات کہنا نہ بھولو۔

میرے بزرگو اور دوستو! چودہ سو سال سے جہاں آپ کے ارشادات محفوظ چلے آرہے ہیں۔آپ کی ادائیں محفوظ چلی آرہی ہیں الحمدللہ آج یہ پورا دین دوپہر کے چمکتے سورج کی طرح ہمارے سامنے محفوظ ہے اور الحمدللہ قرآن محفوظ ہے اور صرف کاغذ کے ورقوں پر نہیں امت مسلمہ کے کروڑوں سینوں میں محفوظ ہے۔ آج بھی زمین پر تورات، زبور، انجیل کے حافظ نہیں لیکن الحمدللہ، قرآن کریم کے کروڑوں سے زائد حافظ موجود ہیں۔اور اللہ نے حفاظت کا ایسا انتظام فرمایا ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچے اور بچیاں، میں نے کل بھی ایک جگہ عرض کیا، ساڑھے چھ سال کی عمر سے لے کر 14,15 سال تک عمر کے بچے اور بچیاں ان کے سینوں میں اللہ اس قرآن کو محفوظ فرما دیتے ہیں۔اتنی عمر کا بچہ اس کو موٹر سائیکل نہیں دیتے گاڑی کی چابی اس کے حوالے نہیں کرتے قیمتی کاغذات اس کے حوالے نہیں کرتے۔ اتنی عمر کا بچہ، میرا رب کہتا ہے جسے تم

موٹر سائیکل کی چابی نہیں دیتے ،کائنات کی سب سے بڑی دولت اس کے حوالے کر دیتے ہیں۔ ایسی حفاظت کے مناظر سامنے آتے ہیں ۔ میں مری کے علاقے میں گیا، ایک گاؤں ''لورا'' کے علاقے میں گویلی پہاڑ کی چوٹی پر، جو چڑھی نہیں جاتی، چیئر لفٹ پر جانا پڑتا ہے ایک پہاڑ سے دوسرے پہاڑ تک (وہاں) 9 بچوں کا حفظ قرآن مکمل تھا۔ وہاں ایک بچہ نابینا تھا، نابینے بھی بہت دیکھے آپ نے بھی بہت دیکھے ہوں گے۔لیکن ایسا نابینا نہیں دیکھا۔اس کے چہرے پر سرے سے آنکھوں کا نشان بھی نہیں تھا۔ یہ جگہ بالکل پلین (Plain) تھی 14,15 سال اس کی عمر، اس کے سینہ میں بھی میرے رب نے قرآن محفوظ کر دیا۔ کیسے راستہ روکو گے اس قرآن کا؟۔ یا اللہ! تیری عجیب قدرت ہے۔تو نے آسمان کو بغیر ستون کے کھڑا کیا ہے۔زمین کو پانی کے فرش پر بچھایا ہے۔رات کے اندھیروں کے بعد دن کے اجالوں کو نکالتا ہے۔ تیرے لئے کوئی مشکل نہیں۔جس کے چہرے پر آنکھ کا نشان بھی کوئی نہیں اس کے سینہ میں قرآن پاک محفوظ کر دیا۔

تو آج الحمدللہ دین اس انداز میں محفوظ ہے۔اور یہ دینی مدارس الحمدللہ، کردار ادا کر رہے ہیں۔ دینی علم کی یہ دولت جو الحمدللہ صدیوں سے ہمارے پاس چلی آ رہی ہے، آج دینی مدارس کی وجہ سے، جو دین اسلام کے قلعہ ہیں، اسی لیئے عصر حاضر کے مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کا وہ جملہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔انہوں نے فرمایا: مسلمانوں کی بقا اسلام کی وجہ سے ہے اور اسلام کی بقا دینی مدارس کی وجہ سے ہے۔(اس جملہ کو تین مرتبہ دہرایا) یعنی جب تک اللہ اللہ کرنے والے رہیں گے حدیث مبارکہ میں آتا ہے جب تک زمین پر اللہ اللہ کرنے والے رہیں گے۔لاتقوم الساعۃ حتی قالو اللہ اللہ

روئے زمین پر جب تک ایک آدمی بھی اللہ اللہ کرنے والا ہے قیامت نہیں آئے گی۔ساری کائنات چلتی رہے گی۔سورج طلوع ہوتا رہے گا، سورج غروب ہوگا ستارے چمکیں گے۔موسم بدلیں گے، ہوئیں چلیں گی، بارشیں ہوں گی، پھول کھلے گے، ہل چلیں گے، پوری کائنات کا نظام چلتا رہے گا، جب تک ایک آدمی بھی اللہ اللہ کرنے والا ہے جس دن وہ بھی نہیں رہے گا رب العالمین فرمائیں گے جن کے لئے کائنات بنائی گئی تھی وہ ہی نہیں رہے تو کائنات کو ختم کر دو۔تو مدارس رہیں گے اللہ اللہ کرنے والے رہیں گے، اللہ اللہ کرنے والے رہیں گے تو اسلام رہے گا، اسلام رہے گا تو مسلمان رہیں گے، گویا کہ یہ دینی مدارس اس عالم کے وجود اور عالم کے بقا کا ذریعہ ہے۔ اور الحمدللہ ہر مدارس آج اپنی ذمہ داری کو بہترین انداز میں پورا

کررہے ہیں۔ ،مشرق میں مغرب میں پکی آبادیوں میں، کچی آبادیوں میں، بستیوں میں ،شہروں میں، آج بھی بلوچستان کے آخری کنارے چمن کے بارڈر سے لیکر گلگت کے پہاڑوں کی چوٹیوں تک اور کراچی سے لیکر خیبر تک الحمدللہ یہ دینی مدارس قوم کے 25 لاکھ بچے اور بچیوں کے سینوں کو علم نبوت سے آراستہ کررہے ہیں۔

سعودی عرب ،جس سرزمین پر قرآن پاک نازل ہوا، وہاں 1 سال میں قرآن مجید کے 5 ہزار حافظ تیار ہوتے ہیں اور یہ ان علماء، مدارس اور مکاتب کی برکت ہے کہ الحمدللہ پاکستان میں 1 سال میں ایک لاکھ حافظ تیار ہوتے ہیں۔ اس سعودی عرب میں ساڑھے سات ہزار پاکستانی قاری قرآن پڑھا رہے ہیں۔ تو الحمدللہ یہ مدارس ہیں، عالم یہیں بنے گا، قاری یہیں بنے گا، حافظ یہیں بنے گا، مفتی یہیں بنے گا، عالمہ حافظہ فاضلہ قاریہ یہیں بنے گی۔ مبلغ یہیں بنے گا، مصنف یہیں بنے گا، تو یہ مدرس کی قوت پورے دین کی قوت ہے۔ دعا کریں آج پوری دنیا کا باطل ان مدارس سے، مساجد سے، علماء سے، داڑھی سے، پگڑی سے، برقعہ سے، اسلامی معاشرے سے تعلق توڑنا چاہتا ہے۔ آپ نیت کریں ہم اس تعلق کو اور مضبوط کریں گے۔ پہلے سے بڑھ کر ان شاء اللہ اپنی اولادوں کا تعلق بھی دین کے ساتھ جوڑیں گے، قرآن کے ساتھ جوڑیں گے، اپنے گھروں اور محلوں کا تعلق بھی ، علماء سے دین سے قرآن سے جوڑیں گے۔ اور پہلے سے بڑھ کر ان اداروں سے تعاون کریں گے اور علماء سے پہلے سے بڑھ کر تعلق جوڑیں گے۔ چودہ سو سال پہلے کوئی تھوڑے فتنے نہیں آئے۔ انگریز کے تسلط کے دور سے پادری پھیل گئے ہندوستان میں ، اور اسلام کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنے شروع کئے لیکن الحمدللہ ان علماء کی راتوں کی آہوں سے ان کی توجہ سے، ان کی رہنمائی سے، ان کی جرأت اور ان کی شجاعت سے، الحمدللہ، وہ سارے کے سارے فتنہ مٹے۔ فتنوں کے پردے چاک ہوئے اور آج الحمدللہ دین کا روشن چہرہ، دوپہر کے چمکتے سورج کی طرح ہمارے سامنے موجود ہے۔ تو الحمدللہ! اس ادارے میں، دارالتقویٰ میں، بنین اور بنات اور اسکول کے بچے ایک کثیر تعداد میں ، مجھے شاخوں کی تعداد بھی بتائی۔ اس شہر میں ،مری میں ، دیگر مختلف علاقوں میں الحمدللہ اس ادارے کی شاخیں اور اس کے طلبہ اور طالبات امتیازی طور پر کامیابی حاصل کررہے ہیں۔ اساتذہ کی بھی کثیر تعداد موجود ہے، ہم اس پر اللہ کا شکر ادا کریں، اللہ نے اپنے پڑھانے کے ساتھ وابستہ کیا۔

حضرت مولانا سلیم اللہ خان نوّر اللہ مرقدہ ایک مرتبہ فرمانے گے ’’زندگی پر نظر ڈالیں تو اور تو کوئی بات

تسلی والی نہیں ملتی۔ایک بات تسلی والی ملتی ہے، وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انما بعثت معلماً "اللہ نے مجھے معلم بنا کر بھیجا ہے" اور اللہ نے ہمیں بھی معلم بنا دیا۔ہم ویسے، ناہماری تدریس ویسی، لیکن ایک نسبت تو ہے جو اللہ رب العزت نے ہمیں عطا کی ہے۔ آپ بھی خوش قسمت، آپ کے اساتذہ کرام بھی خوش قسمت، ہمارے ایک محترمؒ فرماتے تھے: ''دیکھو دنیا میں رزق کا وعدہ اللہ نے سب سے کیا ہے۔

وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِي الأَرْضِ إِلاَّ عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا الخ (زمین پر رینگنے والی ہر چیز کا رزق اللہ نے اپنے ذمہ لیا ہے)۔لیکن کسی کے سامنے لکڑی رکھ دی ہے، وہ لکڑی پے محنت کرے اللہ اسے رزق دے رہے ہیں۔کسی کے سامنے پتھر رکھ دیے وہ پتھر پے محنت کرے اللہ ایسے رزق دے رہے ہیں۔کسی کے سامنے کاغذ رکھ دیے۔وہ کاغذ پے محنت کرے۔اللہ ایسے رزق دے رہے ہیں۔

آپ خوش قسمت ہو، تمہارے سامنے قرآن وحدیث رکھ دیا تم اس پر محنت کرو اللہ تمہیں رزق دے گا۔کسی کو رزق دیا لکڑی، کپڑا، کاغذ، پتھر اور لوہے پر محنت کروا کے، کسی کو رزق دیا کتاب پر محنت کروا کے۔آپ صبح سویرے اٹھتے ہیں آپ کی نگاہیں سب سے پہلے قرآن وحدیث پر پڑتی ہیں۔رات کو سوتے ہیں آپ کی نگاہیں سب سے آخر میں قرآن وحدیث پر پڑتی ہیں۔اسی کو بولتے ہیں، اسکو سنتے ہیں، اسی کو دیکھتے ہیں، اسی کیلئے اٹھتے ہیں، اسی کیلئے جاگتے ہیں، اللہ نے آپ کی تمام تر توانائیوں کو علم نبوت کیلئے قبول فرمالیا، یہ پڑھنا، پڑھانا معمولی بات نہیں ہے۔ مامون الرشید ایک مرتبہ اپنے درباریوں سے کہنے لگے، ''زندگی گزر گئی، فتوحات ملیں، عروج ملا، عزت ملی، بادشاہت ملی، دولت ملی لیکن ایک چاہت پوری نہیں ہوئی'' وزراء کہنے لگے: حضور بتائیں کونسی چاہت پوری نہیں ہوئی ابھی پوری کیے دیتے ہیں۔کہا! تمنا اور چاہت یہ تھی کہ ایک درسگاہ ہوتی، علماء ہوتے اور میں حدیث کا سبق پڑھا رہا ہوتا۔کہا! ابھی پوری کیے دیتے ہیں۔درستگاہ تیار کی، کمرہ تیار کیا، فانوس لٹکے، پردے لٹکے، قالین بچھے، تپائیاں رکھی گئیں۔لال، زرد، برق لباسوں میں ملبوس ہو کر تپائیوں کے سامنے آ کر بیٹھ گئے۔ایک وزیر نے کہا حضور تشریف رکھیں! درسگاہ تیار ہے۔طلباء پڑھنے کیلئے منتظر ہیں۔ مامون تشریف لائے پردہ ہٹایا۔زرق برق منظر دیکھ کر وہیں سے پیچھے ہٹ گئے، کہا! ''ألستم هٰولاء'' تم وہ لوگ نہیں ہو جنہیں طالب علم کہتے ہیں۔وہ پڑھنے پڑھانے والے تو کوئی اور لوگ ہوتے ہیں۔

یہ وہ دولت ہے جس کی تمنا اور ہمارے اکابر جو کچھ بھی انہیں پڑھانے کیلئے مل گیا۔شیخ العرب والعجم

سید الحسین احمد مدنیؒ گرفتار ہوئے، جیل میں پہنچے، وہاں شبیر احمد عثمانیؒ ان کی ملاقات کیلئے تشریف لے گئے اور پوچھا حضرت ! آج کل جیل میں کیا مصروفیت ہے؟ فرمایا! قیدیوں کو نورانی قاعدہ اور تعلیم الاسلام پڑھاتا ہوں، علامہ ازرائے مظہر فرمانے لگے حضرت! یہ معکوس اور الٹ ترقی مبارک ہو کہ بخاری شریف سے تعلیم الاسلام پے آ گئے ہیں۔ حضرت مدنیؒ فرمانے لگے، جو روحانی فائدہ مجھے بخاری شریف پڑھانے پر ہو رہا تھا ویسا ہی روحانی فائدہ مجھے تعلیم الاسلام پڑھانے پر ہو رہا ہے۔ اس لیے کہ میں وہ بھی اللہ کیلئے پڑھا رہا تھا اور یہ بھی اللہ کیلئے پڑھا رہا ہوں۔ اللہ کیلئے کوئی نورانی قاعدہ پڑھائے تو بہت بڑی بات ہے اور اللہ کیلئے بخاری بھی نہ ہو تو کیا فائدہ؟ اس لیے میں عرض کر رہا ہوں یہ نعمت اللہ نے ہمیں نصیب فرمائی ہے۔ عزیز طلباء ! اس نعمت کی قدر کرتے رہئیں۔ ہم اس پر اپنی بھرپور صلاحیت استعمال کریں۔ کہ یہ بننے کا وقت ہے اور بنتا آدمی ایک وقت ہے۔ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے فرمایا۔ ہیرا ایک دفعہ بنتا ہے اور بننے کے وقت میں اگر اس پر کوئی خراش آ جائے بعد میں اس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔ آپ نے علم کے اعتبار سے ایمان ویقین کے اعتبار سے، اخلاق کے اعتبار سے، دینی جذبوں کے اعتبار سے آپ نے اپنے آپ کو بنانا ہے۔ تمہارے انسانیت ساز ادارے ہیں، انسانیت ساز کارخانے ہیں کسی کارخانے میں مشین بنے گی، کہیں برتن بنیں گے۔ کہیں کچھ بنے گا، مدارس وہ کارخانے ہیں جہاں علماء بنتے ہیں۔ رشکِ ملائکہ بنتے ہیں۔ آپ نے اپنے آپ کو اس جگہ پر بنانا ہے۔ ہر اعتبار سے اپنے آپ کو بنانا ہے۔ علم کے اعتبار سے بھی اپنے آپ کو بنانا ہے۔ عمل کے اعتبار سے بھی اپنے آپ کو بنانا ہے۔ اعلیٰ سے اعلیٰ استعداد والا بنانا ہے۔ میں کسی پروگرام میں کہہ رہا تھا، کتنا ہی بڑا آدمی کیوں نہ ہو، اگر وہ کسی اہل علم کی مجلس میں عربی خالی پڑھے اور مرفوع کو منصوب اور منصوب کو مرفوع پڑھائے تو اہل علم اس مجلس میں یوں محسوس کریں گے جیسے گھریلو آدمی ہے اگر یہ عالم مکہ مکرمہ کے کسی طالب علم سے ملے اور انہیں کہنے لگے" انا ذاهب من المكة الى مدينة" آپ کا کوئی کام ہو تو میں خدمت کیلئے حاضر ہوں! اس عرب طالب علم نے کہا یہیں کام اور خدمت ہے کہ آپ الف لام مکہ سے ہٹا کر مدینہ میں لگا دیں۔ یہ آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔ آپ یہ خدمت کر لیں۔ اس لیے کہ مکہ پر الف لام نہیں آتا، مدینہ پر آتا مصر پر آتا، عراق پر آتا، ملتان، سندھ پر آتا۔ کہاں آتا کہاں نہیں آتا، کہاں مرفوع پڑھنا ہے اس استعداد کو بنانا ہوگا۔

اور یہاں تو اللہ نے آپ کو سیکھنے کا، تربیت کا، سننے کا ماحول عطا کیا ہے اس ماحول کی قدر کرتے ہوئے

عزیز طلباء اور طالبات اپنی استعداد کو بنائیے۔ علم اور عمل کے اعتبار سے اپنی صلاحیت کو بنائیں۔ اپنی ذہنی باطنی صلاحیتوں کو ظاہری باطنی صلاحیتوں کو بھرپور استعمال کریں اور اپنے دل ودماغ کو ہر اس چیز سے فارغ رکھیں جو آپ کے ذہن کو منتشر کرنے والی ہو، ہمارے اکابر کو اللہ نے بڑی صفات عطا فرمائی تھیں۔ لیکن علم پر بڑی محنت بھی کی۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرمایا کرتے تھے۔ اسلام کے سچا ہونے کی نشاندہی یہ ہے کہ انور شاہ کشمیری جیسے ذہین مسلمان ہیں۔ اللہ نے ایسا حافظہ عطا فرمایا۔ کچھ لوگ شیخ الہندؒ کے پاس آئے عربی کی عبارت لکھی ہوئی ہے۔ کتاب کا نام لکھا ہوا ہے اور اس سے سود کا جواز ثابت ہورہا ہے۔ حضرت نے فرمایا: عجیب بات ہے، کتاب معتبر ہے، عبارت لکھی ہوئی ہے اور اس سے سود کا جواز ثابت ہورہا ہے۔ فرمایا انور شاہ کشمیری کے پاس جاؤ۔ وہ لوگ آئے۔ علامہ کشمیریؒ نے یہ عبارت دیکھی۔ پھر فرمایا: تم لوگوں نے خیانت کی ہے۔ اصل عبارت یہ نہیں ہے جو تم نے لکھی ہے اصل عبارت یہ ہے۔ (عبارت پڑھ کر سنائی) تم نے خیانت کی ہے۔ یہ عبارت فلاں کتاب کی فلاں جلد کے فلاں صفحے پر لکھی ہوئی ہے۔ کتاب میری فلاں الماری کے فلاں خانے میں پڑی ہوئی ہے۔ اور یہ کتاب میں نے آج سے چھتیس سال پہلے پڑھی تھی۔ اللہ نے ایسا قوت حافظہ عطا فرمایا تھا سبحان اللہ، اگر ذہانت ہو۔ قابلیت ہو، لیکن شوق نہ ہو، غیر حاضریاں ہوں، سستی ہو تو اس قابلیت کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس ذہانت اور قابلیت کے ساتھ محنت شرط ہے۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کو پتا چلا کہ علامہ کشمیریؒ کا انتقال ہوگیا ہے۔ یہ حضرات خبر سن کر ان کے محلے میں پہنچے۔ فجر کی نماز ابھی ختم ہوئی تھی اور صحیح طرح ابھی روشنی بھی نہیں ہوئی تھی۔ محلے میں پہنچے تو معلوم ہوا خبر غلط تھی۔ لیکن بیماری بڑی شدید ہے۔ یہ ان کے گھر کے صحن میں داخل ہوئے دیکھا علامہ کاشمیری گھر کے صحن میں دوزانوں بیٹھ کر کتاب کو آنکھوں کے قریب کر کے کتاب کا مطالعہ کررہے ہیں۔ وہ بیماری کہ جس میں موت کی خبر مشہور ہوئی ہے۔ اس بیماری میں بھی مطالعہ کررہے ہیں۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرمانے لگے حضرت اس کتاب کے مطالعہ کرنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی تھی۔ اگر کوئی مسئلہ دیکھنا تھا ہم شاگرد مر گئے تھے؟ آپ حکم فرماتے ہم دیکھ لیتے۔ فرمانے لگے شبیر احمد! علم کے سیکھنے کی بھی ایک بیماری ہے۔ جس کو لگ جاتی ہے موت کے سوا کوئی چیز نہیں بچا سکتی۔ کچھ لوگ آئے۔ کہنے لگے حضرت! ہم آپ سے ایک مسئلے میں مناظرہ کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن ہماری شرط ہے کہ مناظرہ اردو میں نہیں عربی میں کرینگے۔ علامہ کشمیریؒ فرمانے لگے آپ کی شرط مجھے دل وجان سے قبول ہے۔ میری بھی ایک شرط ہے آپ کو قبول کرنا پڑے گی۔ وہ یہ کہ

مناظرہ نثر میں نہیں۔نظم اور عربی کے اشعار میں کریںگے۔ یہ سن کر وہ بھاگ گئے اور واپس نہیں آئے۔ایسی اعلیٰ استعداد اور ساتھ اللہ پر اعتماد، جب بہاولپور کا مقدمہ چل رہا تھا قادیانیوں کے خلاف، علامہ انور شاہ کشمیریؒ قادیانی وکیل سے فرمانے لگے، مرزا غلام احمد قادیانی جہنمی ہے، وہ کہنے لگا آپ نے غیر پارلیمانی لفظ بولا ہے۔ وہ ہمارا پیشوا ہے۔آپ نے اسے جہنمی کہا ہے۔فرمایا: تجھے اور پوری عدالت کو میں ابھی اسے جہنم میں جلتا ہوا نہ دکھاؤں تو میں اپنا مذہب چھوڑ دوں گا۔ یہ سن کر وہ چلا گیا۔ساتھ ایک شاگرد نے پوچھا حضرت اگر وہ دکھانے کا کہہ دیتا تو پھر۔فرمانے لگے بے وقوف وہاں انور شاہ نہیں کھڑا ہوا تھا۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وکیل کھڑا ہوا تھا۔ میں اس کو دکھا دیتا۔اس انداز میں علم وعمل کی اعلیٰ استعداد اللہ نے انہیں عطا کی۔

شیخ الحدیث مولانا زکریا نور اللہ شام کا کھانا نہیں کھاتے تھے کسی نے پوچھا حضرت! آپ شام کا کھانا نہیں کھاتے؟ حضرت نے فرمایا کھاتا تھا پہلے لیکن جس وقت میں مغرب کے بعد کتاب لے کر مطالعہ کرنے کے لیے بیٹھتا تھا میری ایک بہن تھی وہ لقمہ توڑ توڑ کر میرے منہ میں ڈالتی تھی۔ میری نظر کتاب سے نہیں ہٹتی تھی۔ میں لقمہ چباتا رہتا تھا۔اب اس میری بہن کا انتقال ہوگیا تو اب میری ناز برداری کرنے والا ہے نہیں جو لقمے توڑ کر میرے منہ میں ڈالے میرے سامنے دوراستے ہیں۔ یا میں کھانے کی کمی برداشت کروں یا میں مطالعے کی کمی برداشت کروں۔تو میں نے مطالعے میں کمی برداشت نہیں کی کھانے کی کمی برداش کرلی۔ کئی سال سے میں نے شام کا کھانا کھانا چھوڑ دیا ہے۔آپ اندازہ کرلیں کہ جو کھانے کے وقت کو اپنے لئے رکاوٹ سمجھتے ہوں حرج سمجھتے ہوں۔آج کا طالب علم کبھی شادی میں کبھی ویاہ میں کبھی کہاں کبھی کہاں۔آج رشتے دار آرہا ہے۔اسے لینے جانا ہے۔اور کبھی کوئی جارہا ہے۔کہا کرتا ہوں کہ ہم حنفی لوگ ہیں۔ ہمارے نزدیک استقبال اور استبار دونوں منع ہیں۔ میں عرض کررہا ہوں اپنے اوقات کی پوری حفاظت اور پھر اس پر اعمال کا پورا اہتمام اللہ رب العزت سے تعلق ہم نے اپنے استادوں سے سنا۔فرمایا کہ جب ہم دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہورہے تھے تو ہمارے استادوں نے بتایا کہ جو علم تم نے کتاب سے درس گاہ سے اساتذہ سے حاصل کیا ہے، علم کے ذریعے تم اللہ سے تعلق جوڑ لوگے۔تو اللہ اپنے خزانے سے اتنا علم عطا کرے گا کہ تم تصور بھی نہیں کرسکتے۔جیسے پنجاب میں نلکے اور ہینڈ پمپ ہوتے ہیں۔بعض اوقات ان میں پانی آنا بند ہوجاتا ہے۔ پھر کیا کرتے ہیں۔ پھر چار لوٹے پانی کے ڈالتے ہیں۔ پھر اس کو ہلاتے ہیں۔ جب اوپر والے پانی کا تعلق نیچے والے پانی سے ملتا ہے تو اتنا پانی آنا شروع ہوجاتا ہے کہ ختم نہیں ہوتا۔فرمایا: جو علم تم

نے درس گاہ سے استاد سے حاصل کیا اس علم کے ذریعے اللہ سے اپنا تعلق جوڑ لو گے اللہ اپنے خزانوں سے اتنا علم عطا فرمائے گا کہ ختم نہیں ہوگا۔ اس لیے اس علم پر عمل کا اہتمام ۔ اس علم پر بھرپور محنت۔ یہ بننے کا وقت ہے۔ حضرت محمود حسنؒ دارالعلوم دیوبند میں تشریف لائے ،رات کو دیکھا طلبہ مچھر دانی میں سوئے ہوئے ہیں۔ فرمانے لگے کہ اچھا طالب علم کو مچھر کے کاٹنے کا پتہ لگتا ہے۔ فرمانے لگے کہ ہمارے طالب علمی کے زمانے میں پورے ہفتے میں سونے کی رات صرف جمعہ کی رات ہوتی تھی۔ پورا ہفتہ نہ دن کو نہ رات کو سونے کا کوئی تصور نہیں تھا اور پھر ہم پورے ہفتے کے بعد جب جمعہ کو سوتے تو یوں سوتے اوپر سے ٹرک بھی گزر جائے ہمیں پتہ نہیں چلتا تھا۔ اب طالب علم کو مچھر کے کاٹنے کا پتہ چل جاتا ہے۔ اس انداز کی محنت تھی اور آج پوری دنیا ان کے علم سے بھری ہے۔ تو عزیز طلبہ! یہ ہمارے بننے کا وقت ہے۔ بھرپور انداز میں ۔علم پر تقویٰ پر اتباع سنت پر اللہ سے تعلق بنانے پر بھرپور محنت کریں۔ ان شاء اللہ آپ جہاں جائیں گے آپ ہی آپ ہوں گے۔ ان شاء اللہ

اور میں کہا کرتا ہوں مرد کا سنورنا یہ فرد کا بدلنا ہے۔ اور ایک عورت کا سنورنا نسل انسانیت کا سنورنا ہے۔ ماں کی گود سنور جائے تو نسلیں سنور جائیں گی۔ جب ماؤں کی گودیں پاکیزہ تھیں۔ ان پاکیزہ گودوں سے نکلنے والے امام ابوحنیفہؒ جیسے تھے۔ امام مالکؒ جیسے تھے۔ امام شافعیؒ جیسے تھے۔ حسن بصریؒ جیسے تھے۔ جنید بغدادیؒ جیسے تھے۔ امام غزالیؒ جیسے تھے۔ آج کی گود پاکیزہ نہیں رہی تو آپ دیکھ رہے ہو کیسے کیسے لوگ نکل رہے ہیں۔ اس ماں کی گود کو پاکیزہ کرنا۔

اللہ تعالیٰ ہماری حاضری کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ آمین

• • •

شعبہ دارالافتاء والتحقیق

آپ کے مسائل کا حل

مسجد وغیر مسجد میں زبان سے اذان کے جواب دینے کا حکم

مسجد میں یا مسجد سے باہر زبان سے اذان کے جواب دینے کا حکم یکساں ہے یا الگ الگ ہے؟

جواب:

مسجد کے اندر زبان سے اذان کا جواب دینا بالاتفاق مستحب ہے۔ اور مسجد سے باہر زبان سے اذان کا جواب دینے میں اختلاف ہے۔ راجح قول یہ ہے کہ زبان سے جواب دینا مستحب ہے اور عملی جواب دینا یعنی اذان سن کر جماعت میں شریک ہونا واجب ہے، مگر یہ کہ کوئی عذر ہو۔

ظہر کی چار رکعتوں کا حکم

۱۔ ظہر کی پہلی چار سنتیں رہ گئیں بعد میں چار رکعت سنتیں پڑھتے ہوئے دو کے بعد سلام پھیر دیا تو کیا وہ دو سنتیں ہو گئیں؟

۲۔ نیز اگر دو سنتیں پڑھنا شروع کیں اور چار پوری کر دیں تو کیا چار سنتیں ہو گئیں؟

جواب

۱۔ مذکورہ صورت میں جب چار رکعت سنت کی نیت باندھ کر دو کے بعد سلام پھیر لیا تو یہ دو رکعتیں ظہر کے بعد کی دو سنتوں کے قائم مقام ہو جائیں گی۔ کیونکہ جب اس نے چار رکعت سنت موکدہ کی نیت باندھی تو

راجح قول کے مطابق اس کے ذمے چار ہی لازم ہوئیں لہذا اگر اس نے دو کے بعد سلام پھیر دیا تو اسے چاہیے تھا کہ اسی پر بنا کرتے ہوئے چار پوری کرتا اور سجدہ سہو کر لیتا۔لیکن اگر اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ دو پر سلام پھیر لیا تو اب چونکہ یہ دو رکعت نفل کے حکم میں ہیں اس لیے اس سے دو سنت ادا ہو گئیں کیونکہ سنت کی ادائیگی کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اس کے مقام پر کسی بھی عنوان سے مطلق نفل پائے جائیں۔

۲۔اگر دو سنتوں کی نیت باندھ کر چار پڑھ لیں تو یہ چار رکعات چار سنتوں کے قائم مقام نہ ہوں گی کیونکہ جب اس نے دو رکعت کی نیت باندھی اور دو رکعت کے بعد کھڑا ہو گیا تو اسے چاہیے تھا کہ تیسری رکعت کے مکمل کرنے سے پہلے واپس لوٹ آتا اور اگر اس نے ایسا نہیں کیا اور چار پڑھ لیں تو دو تو سنت ہوئیں اس کی نیت کے مطابق اور باقی دو نفل ہو گئیں البتہ اسے سلام کو مؤخر کرنے کی وجہ سے سجدہ سہو کرنا پڑے گا۔جیسا کہ چار رکعت کی نیت باندھے اور چھ پڑھ لے۔

عورت کے نماز پڑھنے کا مستحب وقت

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عورتوں کے لیے فرض نماز پڑھنے کا مستحب اور بہتر وقت وہی ہے جو مردوں کے لیے ہے؟ یا کہ عورتوں کے لیے افضل اور بہتر یہ ہے کہ وہ نماز کا وقت داخل ہوتے ہی فرض نماز ادا کریں۔کیونکہ انہوں نے جماعت میں تو شرکت کرنی نہیں ہے؟

1۔مندرجہ ذیل بعض عبارات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے لیے وقت داخل ہوتے ہی نماز ادا کرنا افضل اور بہتر ہے:

i۔ مولانا تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ اول وقت میں نماز پڑھنے سے اللہ تعالیٰ کی خوشی ہوتی ہے۔

''ف'' بیبیو! تم کو جماعت میں جانا تو ہے نہیں، پھر کیوں دیر کیا کرتی ہو۔'' (اصلی بہشتی زیور: 557)

ii۔آپ کے مسائل اور ان کا حل میں ہے:

''وقت ہو جانے کے بعد خواتین کے لیے اول وقت میں نماز پڑھنا افضل ہے۔ان کو اذان کا انتظار ضروری نہیں۔'' (2/299)

2۔جبکہ مندرجہ ذیل عبارات سے لگتا ہے کہ عورتوں کے لیے بھی فرض نماز ادا کرنے کا مستحب وقت

وہی ہے جو مردوں کے لیے ہے:

i۔ عمدۃ الفقہ میں ہے:

''عورتوں کے لیے ہمیشہ فجر کی نماز اول وقت میں مستحب ہے، اور باقی نمازوں میں بہتر یہ ہے کہ مردوں کی جماعت کا انتظار کریں، جب جماعت ہو چکے تب پڑھیں۔

ii۔آپ کے مسائل اوران کے حل میں ہے:

''فجر کی نماز عورتوں کو اول وقت میں پڑھنا افضل ہے، اور دوسری نمازیں مسجد کی جماعت کے بعد پڑھنا افضل ہے۔''

سوال یہ ہے کہ ان میں سے کونسی بات صحیح ہے؟

جواب:

فقہ حنفی کی رُو سے دوسری بات صحیح ہے۔البتہ اس میں یہ تفصیل ہے کہ فجر کی نماز میں تو عورتوں کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ اول وقت میں پڑھیں۔یعنی وقت داخل ہونے کے بعد جتنی جلدی ہو سکے فجر کی نماز پڑھ لیں۔جبکہ دیگر نمازوں میں افضل یہ ہے کہ مسجد میں مردوں کی جماعت ہو جانے کے بعد پڑھیں۔

نوٹ:''اول وقت'' سے مراد مستحب وقت ہے۔

پرائز بانڈ کو نوٹ کے طور پر استعمال کرنا

پرائز بانڈ (prize bond) کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور اس کو صرف رقم (یعنی نوٹ) کے طور پر استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:

پرائز بانڈ کی شرعی حیثیت یہ ہے کہ یہ سود اور جوئے پر مشتمل ہے۔اس لیے پرائز بانڈ کی خرید و فروخت کرنا یا اسے رقم یعنی نوٹ کے طور پر استعمال کرنا ناجائز اور حرام ہے۔

گزر بسر کے لیے بینک کے سودی کھاتے میں رقم رکھوانا

کوئی عورت جوانی میں بیوہ ہوگئی اور چھوٹے بچے ہیں۔اب اس کے گزر بسر کے لیے کوئی سخی شخص یہ

سوچ کر کہ بینک میں 5 یا 10 لاکھ روپے رکھوا دیتا ہوں، وہاں سے آمدنی آتی رہے گی اور اس کے گھریلو اخراجات چلتے رہیں گے۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟ یا کونسی شکل اختیار کر لینی بہتر ہوگی؟

جواب:

مذکورہ عورت کے گزر بسر کی اگر اور کوئی صورت نہیں ہے تو مجبوری کی حالت میں میزان بینک یا کسی اور اسلامی بینک میں رقم رکھوا سکتے ہیں۔

بینک میں رقم فکس کروانا

کسی بھی بینک میں رقم فکس کروانا کچھ سالوں کے لیے اور اس پر نفع حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:

عام بینکوں میں رقم رکھوا کر جو نفع لیا جاتا ہے وہ بلا شبہ سود ہے جو کہ ناجائز اور حرام ہے۔ البتہ میزان بینک اور دیگر اسلامی بینکوں میں رقم رکھوا کر جو نفع لیا جاتا ہے اگرچہ بعض علماء اسے جائز کہتے ہیں لیکن ہمیں ان سے پوری طرح اتفاق نہیں۔ اس لیے عام حالات میں اس کی بھی گنجائش نہیں۔ البتہ مجبوری کے حالات اس سے مستثنیٰ ہیں۔

فرض نماز کے بعد دعا میں کسی کا نام لینا

فرض نماز کے بعد اجتماعی دعا میں کسی کا نام لے کر دعا مانگنا کیسا ہے؟ شریعت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔ مثلاً بآواز بلند یوں کہا جائے کہ ہمارے ایک نمازی یا عزیز ہیں وہ بیمار ہیں ان کے لیے دعا فرمائیں کہ اللہ انہیں شفا عطا فرمائے۔

جواب:

گنجائش ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ مسنون دعاؤں پر اکتفا کیا جائے۔

• • •

www.darultaqwa.org

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ

اعمالِ قرآنی

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے قرآن مجید میں بیان کی گئی انبیاء کرام کی دعاؤں، پریشانیوں کے حل کے لئے قرآنی وظائف اور ہمہ اقسام روحانی وجسمانی امراض سے شفایابی کے لئے کلام اللہ میں بیان کئے گئے نسخہ جات کو یکجا کر کے ایک کتاب "اعمال قرآنی" کے نام سے مرتب کی تھی جس میں مصیبت زدہ عوام اور پریشان حال افراد کے دکھوں اور مصیبتوں کا قرآن مجید کی روشنی میں حل موجود ہے۔ آپ بھی کامل یقین کے ساتھ ان پر عمل کر کے اپنی پریشانیوں سے چھٹکارا پا سکتے ہیں۔

قیامت کے دن پیشانی کا چمکنا:

اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ O

خاصیت: جو کوئی اس آیت کو بعد نماز گیارہ بار انگلی پر دم کر کے پیشانی پر مل دے تو ان شاء اللہ تعالیٰ قیامت میں اس کا منہ چمکے گا۔

کشادگیٔ رزق کے لیے:

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ط اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ط قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا O

خاصیت: فراخی رزق کے لیے اور جس مہم میں چاہے اس کو پڑھا کرے، ان شاء اللہ تعالیٰ تنگ دستی دور ہو جائے گی اور مہم آسان ہوگی۔

قبر کے عذاب سے نجات:

پوری سورۂ ملک (پارہ: ۲۹)

خاصیت: جو شخص اس سورت کو ہمیشہ پڑھے گا ان شاء اللہ تعالیٰ وہ عذابِ قبر سے محفوظ رہے گا۔

• • •

عبدالودود ربانی

جامعہ کے شب وروز

٭ جامعہ دارالتقویٰ کے قدماء کا سالانہ اجتماع 17 فروری بروز اتوار بوقت ظہر تا عشاء الہلال مسجد چوبرجی میں ہوگا۔ جس کے مہمانِ خصوصی حضرت مولانا عباداللہ صاحب رائے ونڈ، حضرت مولانا مفتی عبد الستار صاحب (کراچی) ہوں گے۔

٭ مدرسہ فاطمۃ الزہراء کی قدیمات کا سالانہ اجتماع 10 فروری بروز اتوار صبح 9 تا 1 بجے چوبرجی میں ہوگا۔ حضرت مولانا احسان الحق صاحب دامت برکاتہم، حضرت مولانا حبیب الرحمان صاحب مدظلہ اور پروفیسر ڈاکٹر مولانا یوسف خان صاحب مہمانِ خصوصی ہوں گے۔

٭ مدرسہ فاطمۃ الزہراء شیخوپورہ کی قدیمات کا جوڑ شیخوپورہ شاخ میں 3 فروری بروز اتوار کو ہوگا۔ جس کے مہمان خصوصی حضرت مولانا داؤد صاحب گوجرانوالہ اور حضرت مولانا عامر رشید صاحب ہوں گے۔

٭ جامعہ دارالتقویٰ کے زیر اہتمام مورخہ 3 فروری بروز اتوار بوقت سہ پہر 2 تا 4 بجے الہلال مسجد میں تجہیز وتکفین سیمینار منعقد کیا جارہا ہے جس میں مستند علماء کرام اور مفتیان عظام تجہیز وتکفین اور اس سے متعلقہ مسائل پر روشنی ڈالیں گے۔

٭ جامعہ دارالتقویٰ کی تقریب ختم بخاری ان شاء اللہ مورخہ 23 مارچ بروز ہفتہ الہلال مسجد چوبرجی میں منعقد ہوگی۔

www.darultaqwa.org

اعلان داخلہ

جامعہ دارالتقویٰ لاہور کے زیر اہتمام

شعبہ حفظ میں داخلہ جاری ہے۔

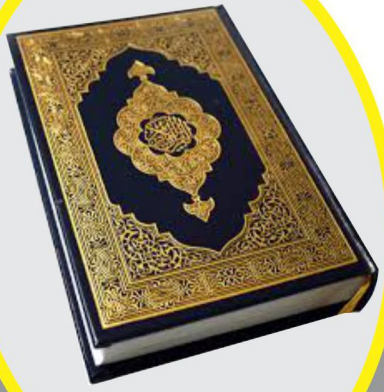

ممتاز تعلیمی خصوصیات

- ★ دو سے اڑھائی سال میں مکمل حفظ قرآن
- ★ لہجے کی عمدگی اور تلفظ کی درستگی پر خاص توجہ دیجاتی ہے
- ★ سرپرستوں سے وقتاً فوقتاً خصوصی مشاورت
- ★ دین کے بنیادی عقائد، مسائل نماز، روزہ وغیرہ
- ★ بچوں کا دینی تشخص قائم کرنے کیلئے نظریاتی اور اصلاحی تربیت
- ★ تجربہ کار اور مستند قاری صاحبان
- ★ ہر سپارے کے مکمل ہونے پر نگران جائزہ
- ★ ہر کلاس میں مناسب تعداد
- ★ مار پیٹ سے پاک ترغیبی ماحول
- ★ ہر بچے کی روزانہ کارکردگی رپورٹ

چوبرجی مدرسہ سیدنا علیؓ متصل جامع مسجد الہلال چوبرجی پارک، ملتان روڈ، لاہور
فون: 042-37414665, 0333-4312039, 0321-7771130

فیروزپور روڈ سیٹلائٹ ٹاؤن سبزہ زار کالونی، لکی ہوٹل سٹاپ مین فیروزپور روڈ، لاہور فون: 0301-4506365

شاہدرہ موڑ فرخ آباد، نزد PSO پٹرول پمپ شاہدرہ لاہور فون: 042-37940830, 0300-6896662

باٹاپور متصل جامع مسجد صدیقیہ، جاگیر حسین پورہ، کوٹھی سٹاپ، باٹاپور لاہور۔ فون: 03078841108, 03240043241

بادامی باغ بادامی باغ: جامع مسجد سلطان، سلطان فونڈری عثمان گنج 23 تاج روڈ، بادامی باغ لاہور 0333-2529837

مری شاخ مدرسہ جامعہ دارالتقوی نزد مرینہ ہوٹل عزیز آباد مری 03244970533

ازمیر ٹاؤن 15-A ازمیر ٹاؤن ملتان روڈ لاہور فون: 042-35961794, 0321-3867194

التقویٰ بوائز ہائی سکول

(سائنس و آرٹس)

With New Competent,
Energetic and Professional
Administration

حافظ، غیر حافظ بچوں کیلئے دینی ماحول میں سکول کی تعلیم

ٹرینڈ و تجربہ کار اساتذہ

حفظ کی دہرائی

ٹیسٹ سیشن کا آغاز

عربی و انگریزی پر یکساں فوکس

بچوں کی دینی و اخلاقی تربیت

یکم جنوری سے

Pre 9th

شخصیت کی تعمیر پر خصوصی توجہ

کمپیوٹر و سائنس لیب

کلاس کا آغاز

58 چوبرچی پارک لاہور

0423-5247910
0300-5553616

عین آرٹ